خواتین کے لیے

80

احکامِ قرآن

کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض

دارالسلام
DARUSSALAM

علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ

ترتیب و تخریج ڈاکٹر ادریس حامد الصومالی

خواتین کے لیے

80 اَحکامِ قرآن

کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق وفرائض

خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن
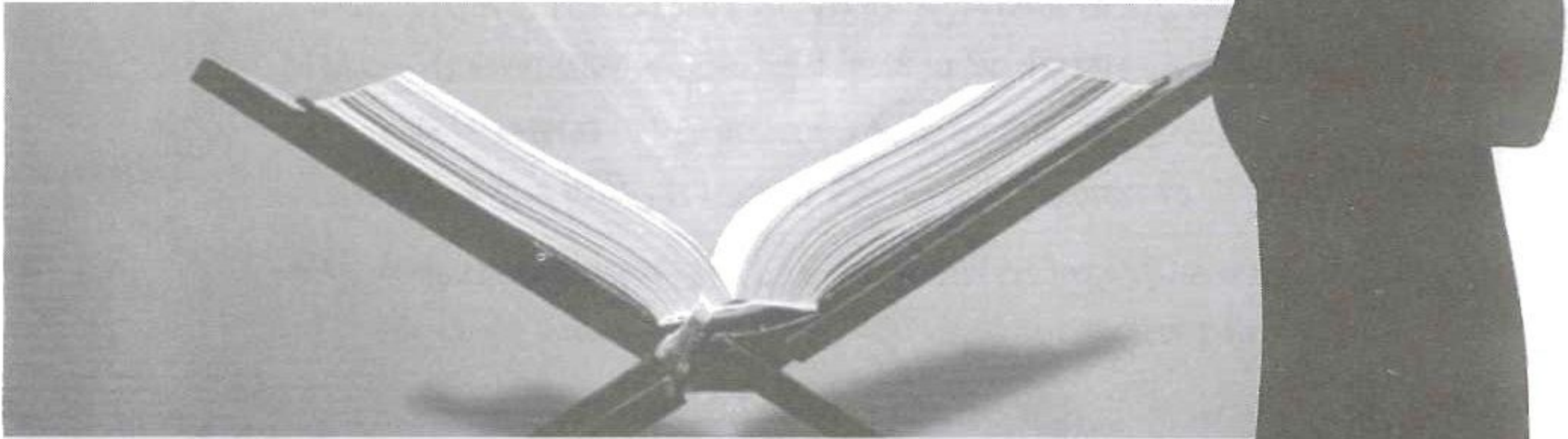
کتاب اللہ کی روشنی میں عورتوں کے حقوق و فرائض

علامہ نواب محمد صدیق حسن خان بھوپالی رحمہ اللہ

ترتیب و تخریج ڈاکٹر ادریس حامد الصومالی

ترجمہ مولانا محمد عثمان منیب

DARUSSALAM
دار السلام

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر

بهادر، محمد صديق حسن

حسن الاسوة بما ثبت من الله ورسوله في النسوة - الاردية. / محمد صديق حسن بهادر - الرياض، ١٤٣١ هـ

ص: ٢٦٢ مقاس: ١٤×٢١ سم

ردمك: ٦-٧٠-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

(اللغة الاردية)

١. الحديث - مباحث عامة ٢. المرأة في الاسلام أ. العنوان

ديوي ٢١٩,١ ١٤٣١/٧١٤

رقم الإيداع: ١٤٣١/٧١٤

ردمك: ٦-٧٠-٥٠٠-٩٩٦٠-٩٧٨

دارُالسّلام
کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈ آفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 4043432-4033962 1 00966 فیکس: 4021659
E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com
Website: www.darussalam.com

- الریاض۔ العلیا۔ فون: 4614483 01 فیکس: 4644945 ● الملز فون: 4735220 01 ● سویلم فون: 2860422 01
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695 ● قصیم (بریدہ): فون / فیکس: 3696124 06 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948 ● مدینہ منورہ فون: 8234446 04 فیکس: 8151121 موبائل: 0504296740
- جدہ فون: 6879254 02 فیکس: 6336270 ● الخبر فون: 8692900 03 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون / فیکس: 3908027 04 ● خمیس مشیط فون / فیکس: 2207055 07

شارجہ فون: 5632623 6 00971 امریکہ ہوسٹن: 7220419 713 001 ● نیویارک: 6255925 718 001
لندن فون: 4885 539 208 0044 آسٹریلیا فون: 4040 9758 2 0061

پاکستان (ہیڈ آفس و مرکزی شوروم)

لاہور 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ شاپ
فون: 37232400-37240024-37324034 42 0092 فیکس: 37354072 موبائل: 0322-8484569
Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 37120054 فیکس: 37320703 موبائل: 0321-4439150
- مون مارکیٹ اقبال ٹاؤن فون: 37846714 موبائل: 0321-4156390
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 35692610 موبائل: 0321-4212174

اسلام آباد F-8 مرکز، فون / فیکس: 2281513 موبائل: 0321-5370378
کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادر آباد کی طرف) دوسری گلی، کراچی
فون: 34393936 فیکس: 34393937 موبائل: 0321-2441843

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان، نہایت رحم والا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَہُ حَتّٰی یُبَلِّغَہُ

اللہ تعالیٰ اُس شخص کو تروتازہ اور شاداب رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی، پھر اسے یاد کر کے لوگوں تک پہنچا دیا

(سُنن ابُوداؤد، العِلم، حدیث: ۳٦٦٠)

مضامین

عرض ناشر

ہم اپنی مرضی سے پیدا نہیں ہوئے، نہ اپنی مرضی سے مریں گے۔ جب زندگی کی ابتدا ہماری مرضی کی ہے نہ انتہا تو پیدائش سے لے کر موت تک کی درمیانی زندگی بھی ہم اپنی مرضی سے بسر نہیں کر سکتے۔ یہ بیچ والی زندگی بھی اُسی خالق و مالک کے احکام کے مطابق گزارنی پڑے گی جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ جو شخص اپنی مرضی کرتا ہے یا کرے گا، اسے حشر کے ہجوم و ہیجان میں حساب دینا ہوگا۔ ایک مومن صادق دل و دماغ کی گہرائیوں کے ساتھ اپنے آپ کو اپنے آقا و مالک کے سپرد کس طرح کر دیتا ہے، اس کا ایک ایمان افروز نقشہ اللہ جل شانہ کے اس ارشاد مبارک میں دیکھیے: بے شک میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب کچھ صرف اللہ رب العلمین ہی کے لیے ہے۔

من مانی زندگی سے اجتناب اور ''اطاعت الٰہی'' والی زندگی بسر کرنے کا اہتمام ہی ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ اس اعتبار سے ہر فرد کو، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، اپنی کامیابی کے لیے اطاعتِ ربانی کا فرض بہر حال پورا کرنا ہوگا۔ مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی اپنے اعمال کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور جوابدہ ہیں۔ اس جوابدہی کا اہتمام احساسِ

ذمہ داری، احکام الٰہی کی معرفت، احتسابِ عمل اور مجاہدۂ نفس کے بغیر ادا نہیں کیا جا سکتا۔

ختمی مرتبت رسالت مآب ﷺ کی بعثت سے پہلے عورت جس خواری اور سفا کی کا شکار تھی، اس سے کوئی پڑھا لکھا شخص بے خبر نہیں۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے آئینِ تہذیب و تطہیر دے کر عالمِ انسانیت پر جو احسانِ عظیم فرمایا ہے اُس کا ایک نہایت گراں قدر پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کو بھی قرآن کریم کی تعلیمات وتجلیات سے منور ومزین کیا۔ اس طرح انھیں تقدیس وتکریم کی اتنی اونچی مسند پر فائز کر دیا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ، سیدہ فاطمہ، سیدہ صفیہ، سیدہ سُمیہ، سیدہ اُمِ سُلَیم اور سیدہ خنساء رضی اللہ عنہن جیسی ارفع اور عظمت مآب خواتین پیدا ہوگئیں۔

دارالسلام کا مقصد وحید یہ ہے کہ قرآن وسنت کی تعلیمات کا نور عام ہو کر دنیا کے ہر فرد تک پہنچ جائے تاکہ وہ اس دنیا میں ایمان و یقین، خود اعتمادی، امن، عزت اور عافیت کی زندگی بسر کرے اور آخرت میں رب ذوالجلال کی رحمت، مغفرت اور جنت کا مستحق بن سکے۔ اِس مقصد کے تحت دارالسلام جہاں مردوں کے لیے مستند دینی لٹریچر فراہم کرتا ہے، وہیں وہ محترم خواتین کی تعلیم وتربیت اور تہذیب وتوقیر کو بھی زبردست اہمیت دیتا ہے اور ان کے لیے اللہ رب العزت کی بندگی اور اتباعِ سنت کی راہ اُجاگر کرنے کی غایت سے بڑی نادر اور نہایت خوبصورت کتابیں شائع کرتا ہے۔ زیرِ نظر کتاب ''خواتین کے لیے 80 احکامِ قرآن'' اسی سلسلة الذهب کی نہایت اہم کڑی ہے۔

اصلاً یہ تالیف عربی زبان میں ہے۔ اس کا عنوان ''حُسْنُ الْأُسْوَةِ بِمَا

ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' ہے۔ اس کے مؤلف برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم دین علامہ نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ ہیں۔ اللہ رب العٰلمین و احکم الحاکمین پروردگار کی یہ کیسی عجیب و عظیم کرشمہ گری ہے کہ اُس نے ماضی قریب کے محکومِ فرنگی ماحول اور ریاستی فشار میں قرآنی تعلیمات کی تفہیم و تشریح کا بے مثل کام اُس ہندی مسلمان سے لیا جس کی مادری زبان اُردو تھی۔ لیکن وہ وادی غیر ذی زرع کے زبان و بیان پر نہ صرف قدرت رکھتا تھا بلکہ اس کے دینی علوم کی دھاک ضرب المثل بن کر دور دور تک بیٹھی ہوئی تھی۔ نواب محمد صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی دینی بصیرت اور علمی وجاہتوں کا اندازہ زیرِ نظر کتاب سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ اس کتاب کی تہذیب ڈاکٹر ادریس حامد صومالی نے کی ہے۔ جس کا اردو میں ترجمہ دارالسلام کے فاضل رکن مولانا محمد عثمان منیب نے کیا ہے۔ ترجمہ شستہ اور شگفتہ ہے۔ اس کتاب میں خواتین کے بارے میں قرآن و سنت کے نہایت اہم احکام جمع ہو گئے ہیں۔

نکاح خانگی زندگی کی بنیاد ہے۔ اس کتاب کے پہلے ہی باب میں بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو کن عورتوں سے شادی کرنی چاہیے اور کن سے نہیں کرنی چاہیے۔ جن عورتوں سے نکاح حرام ہے، اُن کی پوری تفصیل بتا دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی جو ممانعت فرمائی ہے، اُس کی تشریح وضاحت سے کی گئی ہے۔ طلاق کے احکام سمجھائے گئے ہیں۔ عدت کی حکمت اور مدت بتائی گئی ہے۔ حلالہ کی لعنت آشکار کی گئی ہے۔ مطلقہ عورتوں سے نرمی اور نوازش کے سلوک اور شیر خوار بچوں کو دودھ پلانے کی مناسب اُجرت دینے کی تاکید اُجاگر کی گئی ہے۔ طلاق سے حتی الامکان بچنے اور میاں بیوی میں صلح کرانے کا طریقِ کار

بتایا گیا ہے۔ شوہر اور بیوی کے مابین ''لعان'' کے معاملے کی تشریح کی گئی ہے۔ غیر شادی شدہ عورتوں اور مردوں کے فوری نکاح کرنے کی اہمیت اور فضیلت جتلائی گئی ہے۔

ترکے اور میراث کے سلسلے میں خواتین سے جو سنگین ناانصافیاں روا رکھی جاتی ہیں، اُن کے سدِ باب کے لیے قرآن و سنت کے احکام کھول کھول کر بیان کیے گئے ہیں۔ مسلمان خاتون اپنے گھر کی ملکہ ہے۔ اسے گھر کی چار دیواری ہی میں رہنا چاہیے۔ گھر سے باہر جانے کی کوئی اہم ضرورت پیش آ جائے تو پردے کا بخوبی اہتمام کرنا چاہیے۔ اپنی زینت مخفی رکھنی چاہیے۔ زمین پر زور زور سے پاؤں مار کر چلنا کسی طور زیبا نہیں۔ کسی غیر مرد سے بات چیت کی نوبت آ ہی جائے تو خواتین کو اپنا لب و لہجہ اتنا بے گانہ رکھنا چاہیے کہ اُس کے دل میں کسی ناپاک خواہش کا ناگ سر نہ اُٹھائے، یہ ساری باتیں تسہیل اور تفصیل سے سمجھائی گئی ہیں۔

ہر مسلمان خاتون اور ہر مسلمان مرد کا اصل قلبی تعلق اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ بابرکات سے ہونا چاہیے۔ میاں بیوی کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے اظہارِ شکر و سپاس کرنا چاہیے اور ایک دوسرے کی فلاح کے علاوہ اپنی اولاد کی بھلائی اور پارسائی کے لیے بھی اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا گو رہنا چاہیے۔ ماں باپ سے نہایت مہذب اور مہربانی کا سلوک کرنا چاہیے،...... یہ تمام امور قرآن کریم کی متعلقہ آیات اور احادیث کے حوالوں کے ساتھ کتاب میں بخوبی آ گئے ہیں مؤلف رحمہ اللہ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ قرآن و سنت کی قلمرو سے باہر نہیں نکلے اور انھوں نے اپنی تمام تشریحات کو علمائے سلف کے اقوال و افکار سے مستحکم کیا ہے۔ فی الجملہ اس کتاب کی

تعلیمات مثالی مسلمان خواتین کی سیرت کا حسن ہیں۔ یہ تعلیمات توجہ کا رُخ باطن کی طرف پھیر دیتی ہیں۔ ظاہری اور باطنی تطہیر کی دعوت دیتی ہیں اور ہر خاتون کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیتی ہیں کہ میں کون ہوں؟ میری ہستی کا مقصد کیا ہے؟ بحیثیت مسلمان میرے فرائض کیا ہیں؟ حقوق کیا ہیں؟ خاتونِ خانہ کی حیثیت سے میرا کیا کردار ہے؟ اور نظمِ جہاں میں اپنا تخلیقی حصہ ڈالنے کے لیے مجھے شوہر کی خدمت اور تربیتِ اولاد کی کیسی کیسی عظیم اور بوقلموں ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں؟

یہ کتاب خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیز و اقارب کو بھی اس کے مطالعے کی ترغیب دیجیے۔ آپ کی ترغیب سے کوئی محترم خاتون قرآن وسنت کی راہ پر چل پڑی تو اس کے صلے میں اللہ تعالیٰ آپ کو جنت عطا فرمائے گا۔

شعبۂ فقہ ومتفرقات کے زیر اہتمام اس کتاب کی تیاری میں عزیز گرامی حافظ عبدالعظیم اسد کی فعال نگرانی، حافظ محمد ندیم، مولانا محمد مشتاق، مولانا تنویر احمد، قاری عبدالرشید اور جناب احمد کامران کی تصحیح وتہذیب، محمد رمضان شآد، اور وسیم احمد کیلانی کی کمپوزنگ اور ممتاز آرٹسٹ ہارون الرشید اور ان کے معاون اسد علی کی تزئین وآرائش جلوہ گر ہے۔ میں دارالسلام کے ان سب مؤقر ارکان کا بصمیمِ قلب شکر گزار ہوں۔

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر: دارالسلام۔ الریاض، لاہور

دسمبر 2009ء

مقدمہ

ہر قسم کی تعریف اس ذات باری کے لیے ہے جس نے پانی کی ٹپکائی گئی ایک بوند سے مرد اور عورت کا جوڑا پیدا کیا اور ان کی تخلیق کا اولین مقصد اپنے خالق کی عبادت قرار دیا تاکہ اس کے مخصوص کردہ دائرۂ کار میں رہ کر وہ زمین کی آبادکاری میں مشترکہ کردار ادا کریں۔ میں اسی حق سبحانہ وتعالیٰ ذاتِ بابرکات کی تعریف اور شکر کرتا ہوں جس نے شاکرین کے لیے مزید نوازشات کا اعلان کیا ہے۔

درود وسلام ہو اللہ رب العزت کی تمام مخلوق کے سردار حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ پر اور آپ ﷺ کے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر اور قیامت تک آپ کی پیروی کرنے والوں پر بھی اللہ کی رحمت ہو۔ اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں واضح کر دیا ہے کہ مرد اپنی تخلیق اور فطرت میں عورت کی طرح نہیں ہے۔ وہ تخلیقی طور پر کامل اور فطری طور پر قوی اور مضبوط ہے۔ اس کے برعکس عورت ناقص الخلقت، کمزور اور فطرتاً کم ہمت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان جسمانی، عقلی، فکری، جذباتی اور ارادی صلاحیتوں میں مختلف نوعیت کا فرق رکھا ہے۔ اس تفاوت ہی کی وجہ سے شریعت کے بعض احکام کا تعلق مرد اور

عورت میں سے صرف ایک جنس سے ہے، مثلاً: مردوں کو ان کی تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر گھر سے باہر کی ذمے داریاں ادا کرنے کی ہدایت کی۔ اسی طرح عورتوں کی تخلیق، فطرت، صلاحیت، نزاکت اور کمزوری کے باعث ان کے مناسب حال اُمور خانہ داری کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کیں، ان میں سے اہم ترین ذمہ داری خاوند کی خدمت اور دیکھ بھال اور آئندہ کی خوب تر نسل کے لیے اولاد کی اچھی تربیت کرنا ہے۔

یہ تخلیقی تفاوت اللہ تعالیٰ کے تکوینی ارادے کی علامت ہے۔ مرد وعورت کو جداگانہ شرعی احکام کا مکلّف ٹھہرانا اس ذات باری تعالیٰ کے ارادۂ شرعیہ پر دلالت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عبادات، معاملات، معاشرت اور نکاح وغیرہ میں کئی احکام صرف خواتین ہی کے لیے مختص ہیں۔ مثال کے طور پر عورت کے لیے پردے کا التزام، اسے گھر کی چار دیواری میں شمع خانہ کا کردار ادا کرنے کی تلقین، عبادات کے لیے مسجد کی بجائے گھر اور گھر میں بھی کسی مخصوص کمرے کی ترجیح، اذان واقامت کی ذمے داری سے عورت کا استثنا، اس کے پورے وجود کو پردہ قرار دینا، اسے بلند آہنگ قراءت کی ممانعت، خواتین کے لیے جماعت کرانے کی کراہت اور مردوں کی امامت کرنے کی ممانعت، ان پر جمعہ، جماعت اور جہاد کے وجوب کا ساقط ہونا اور خطبۂ جمعہ وغیرہ دینے کی مطلق ممانعت اور محرم کے بغیر سفر وغیرہ ایسے احکام ہیں جن پر قدیم وجدید ہر دور میں کتابیں لکھی گئی ہیں اور یہ حقیقت ہر شک وشبہے سے بالاتر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مردوزن میں سے ہر ایک کے لیے جو احکام مقرر فرما دیے ہیں ان میں زبردست حکمتیں اور حسنات وبرکات پوشیدہ ہیں:

① مرد وعورت کے اس واضح فرق پر ایمان لانا اور اسے تسلیم کرنا، چاہے یہ فرق حسی

ہو یا معنوی یا شرعی، ضروری ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کے لیے جو مقدر ٹھہرایا اور مشروع قرار دیا ہے، وہ اس پر بخوشی راضی اور خوشنود رہے۔

② کسی مسلمان مرد اور عورت کے لیے ہرگز جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ تفاوت میں اپنی گمراہ خواہش کو دخل دے اور صنفی تغیر وتبدل کی آرزو کرے کیونکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر نالاں ہے اور اس کی حکمت اور شریعت پر راضی نہیں ہے۔

③ جب اللہ تعالیٰ کی کتاب میں مرد وزن کے لیے مخالف صنفی خصوصیت کی تمنا بھی ممنوع ہے تو ان لوگوں کی نسبت کیا حکم ہوگا جو واضح صنفی فرق اور فاصلے کے باوجود اسے مٹانے کا مطالبہ کرتے ہیں اور مرد اور عورت کی مساوات کا ڈھونگ رچاتے پھرتے ہیں۔

عورتوں کے خصوصی احکام کے بارے میں لکھی جانے والی تصانیف میں سے ایک اہم کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس کا عنوان اس کے مؤلف نواب سید صدیق حسن خان رحمہ اللہ نے ''حُسْنُ الْأُسْوَةِ بِمَا ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' رکھا ہے۔ اور اسے دو اجزاء میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے جز میں مصحف مقدس سے وہ آیات بیان کی ہیں جن میں بالخصوص عورتوں ہی کے احکام بیان کیے گئے ہیں، نیز احکام کی تفہیم وتشریح کے لیے بعض عام فہم اشارات کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس جز میں غوروفکر کے بعد معلوم ہوا کہ اس کے ابواب میں تکرار کی بہتات ہے۔ مزید برآں جلیل القدر مؤلف نے ابواب قائم کرنے میں یہ طریقہ اختیار کیا کہ آیات میں عورتوں کی طرف لوٹنے والی ضمائر کو بنیاد بنایا۔

دارالسلام نے اس گرانقدر کتاب کے افادات و برکات آسان زبان اور نئے لہجے میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سلسلے میں پرانے اسلوب تالیف میں تبدیلی کی ضرورت ناگزیر محسوس ہوئی۔ چنانچہ اب یہ عظیم کتاب نئے رنگ و آہنگ میں نہایت سلیس اور نفیس زبان میں نذر قارئین ہے۔

کتاب کی ترتیبِ جدید کے لیے ہم نے جو اقدامات کیے ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

اصل کتاب 193 ابواب پر مشتمل ہے۔ ان ابواب کا بہ نظر غائر مطالعہ کر کے 80 ابواب چنے گئے۔ انھی ابواب پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ بعض ابواب میں آیات کی مناسبت سے بھی تبدیلی کی گئی ہے۔

راقم نے ادارے کی ہدایات کے مطابق آیات میں موجود نصائح اور احکام اجاگر کرنے کے لیے درج ذیل کتب سے بھی استفادہ کیا ہے:

① المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير.

② تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان. عبدالرحمٰن السعدي.

③ تفسير الطبري. ابن جرير الطبري.

④ فتح القدير. محمد علي الشوكاني.

⑤ حسن الأسوة. محمد صديق حسن خان.

اس کام کی نمایاں خصوصیات یہ ہیں:

❁ آیات میں مندرج احکامِ نسواں کے بارے میں علمائے مفسرین کے اقوال جمع کر دیے گئے ہیں۔

❁ سورتوں کی ترتیب مصحف کی ترتیب کے مطابق کر دی ہے، مثلاً: بقرہ، آل عمران

وغیرہ۔ اسی طرح سورتوں میں مذکور آیات کی ترتیب بھی ملحوظ رکھی گئی ہے۔

❁ آیات کریمہ کے معانی مطلوبہ اختصار کے ساتھ پیش کرنے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔

❁ آیات کی شان نزول وضاحت سے بتا دی گئی ہے کیونکہ اس سے واقعات کو صحیح تناظر میں سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

❁ آیات سے متعلقہ شرعی احکام اور فوائد کا ذکر بھی کر دیا گیا ہے، اس کا عنوان ''تَهْذِيبُ حُسْنِ الْأُسْوَةِ بِمَا ثَبَتَ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُولِهِ فِي النِّسْوَةِ'' ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب کو اس کے مصنف، مترجم، محقق، ناشر، قاری اور جملہ مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لیے نفع بخش بنائے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہی کار ساز حقیقی اور ہر امر پر قادر ہے۔

«وصلى الله على نبينا و على آله وصحبه وسلم»

ڈاکٹر ادریس حامد صومالی

1

مشرک عورتوں سے نکاح کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۭ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۭ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ﴾

''اور تم مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ ایک ایمان والی لونڈی مشرک عورت سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرکہ) تمھیں بھلی ہی لگے اور تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے نکاح میں نہ دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں، البتہ مومن غلام، مشرک سے بہتر ہے اگرچہ وہ (مشرک) تمھیں بھلا ہی لگے۔''[1]

درج بالا آیت کریمہ سے مومنوں کے لیے بت پرست مشرکہ عورتوں سے نکاح کرنے کی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر عموم مراد لیا جائے تو پھر اہل کتاب کی

(1) البقرة 2:221.

مشرکہ عورتیں بھی اس حکم کے ضمن میں آتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے درج ذیل فرمان میں اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح کے جواز کی تخصیص ہے:[1]

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾

''اور ان لوگوں کی پاک دامن عورتیں حلال ہیں جنھیں تم سے پہلے کتاب دی گئی، جبکہ تم انھیں ان کے مہر دے دو، نیز انھیں نکاح کی قید میں لانے والے بنو نہ کہ بدکاری کرنے والے۔''[2]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما پہلی آیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے (دوسرے مقام پر) اس سے اہل کتاب کی عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے کتابیہ عورت سے نکاح کے جواز پر اجماع نقل کیا ہے اور فرمایا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اس لیے ناپسند فرمایا تھا کہ لوگ مسلمان عورتوں سے بے رغبتی شروع نہ کر دیں یا دیگر کسی مصلحت کے پیش نظر ناپسند کیا تھا۔[3]

مذکورہ آیت میں اس بات کی صراحت ہے کہ مومنہ عورت اگر لونڈی بھی ہو تب بھی وہ آزاد مشرک عورت سے بدرجہا بہتر، افضل اور نفع بخش ہے۔ اس سے آزاد مومنہ عورت کی مشرکہ آزاد عورت پر فضیلت بالاولیٰ ثابت ہوتی ہے۔[4]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ مشرک مرد مومنہ عورت سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ اس میں اسلام کی ذلت ہے۔[5]

(1) المصباح المنير في تهذيب تفسير ابن كثير، ص: 160. (2) المآئدة 5:5. (3) المصباح المنير، ص: 160، وتفسير الطبري: 2/390. (4) حسن الأسوة، ص: 17. (5) تفسير القرطبي: 2/67.

2

حیض سے پاک ہونے تک بیویوں سے ہم بستری کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝﴾

”اور (اے نبی!) لوگ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دیجیے: وہ تو گندگی ہے۔ تم حیض (کی حالت) میں عورتوں سے الگ رہو اور ان سے ہم بستری نہ کرو یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر جب وہ خوب پاک ہو جائیں (غسل کرلیں) تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمھیں حکم دیا ہے، بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے اور پاک صاف رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“[1]

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جب کوئی عورت حائضہ ہو جاتی تو اس کے ساتھ کھاتے پیتے تھے نہ کمرے میں اس سے سکونت اور میل جول اختیار کرتے تھے۔ صحابۂ کرام نے نبی ﷺ سے اس کی بابت پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت نازل فرمائی۔[2] اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اِصْنَعُوا كُلَّ شَيْءٍ إِلَّا النِّكَاحَ»

[1] البقرة 2 : 222. [2] المصباح المنير، ص :161.

”فرج میں جماع کے سوا (اختلاط و مباشرت) سب کچھ کرو (جائز ہے۔)“[1]

آیت کے معنی: اگر آیت میں ثانی الذکر لفظ محیض کو مصدر مانیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دورانِ حیض میں ان سے مجامعت سے اجتناب کرو اور ان سے الگ رہو۔ اگر محیض کو اسم ظرف (مکان) تسلیم کریں تو پھر معنی ہوں گے کہ حیض والی جگہ، یعنی شرمگاہ میں مجامعت نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مجامعت ناجائز ہے، چھونا اور اختلاط کرنا حرام نہیں ہے۔ اسی طرح شرمگاہ کے علاوہ سے یا جسم سے ازار (کپڑا) ہٹا کر استمتاع لطف اندوز ہونا جائز ہے، اگرچہ اس مؤخر الذکر میں اختلاف ہے۔ جہاں تک حائضہ سے جماع کا تعلق ہے تو وہ بالاتفاق حرام ہے اور اس کا عقیدۂ حرمت ضروریات دین میں سے ہے۔[2]

فائدہ: آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ دورانِ حیض عورت سے جماع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دبر جائے جماع نہیں ہے، اسے جماع کے لیے استعمال کرنے کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔

3

مباشرت کا محل

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] صحيح مسلم، حديث: 302، و مسند أحمد : 132/3. [2] حسن الأسوة، ص : 18 نقلا عن فتح القدير : 286/1.

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾

’’تمھاری عورتیں تمھاری کھیتی ہیں، پس تم جس طرح چاہو، اپنی کھیتی میں آو۔‘‘[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: آیت میں مذکور لفظ ﴿حَرْثٌ﴾ سے مراد اولاد والی جگہ ہے۔[2]

مطلب یہ ہے کہ جیسے چاہو آگے پیچھے سے مباشرت کرو لیکن دخول صرف شرمگاہ (فرج) ہی میں ہو جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔[3]

آیت میں مذکور لفظ ﴿حَرْثٌ﴾ سے معلوم ہوتا ہے کہ جماع کی اباحت صرف شرمگاہ، یعنی قبل میں ہے کیونکہ وہی اولاد کے پیدا ہونے کا محل ہے، جس طرح زمین نباتات کے اگنے کی جگہ ہے، اسی طرح یہاں انسان کی افزائش نسل کے لیے رحم میں ڈالے جانے والے نطفے کو زمین میں بوئے جانے والے بیج سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دونوں میں قدرِ مشترک مادہ ہے۔

﴿فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ﴾ کا مطلب ہے کہ تم اپنی کھیتی اور اولاد پیدا ہونے کی جگہ، یعنی قبل کو جماع کے لیے استعمال کرو۔ اس آیت مقدسہ میں عورت کی شرمگاہ کو زمین سے، نطفے کو بیج سے اور اولاد کو کھیتی سے تشبیہ دی گئی ہے۔[4]

سلف صالحین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ بیوی کی دبر جماع کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔[5]

[1] البقرة 2 : 223. [2] تفسير الطبري: 404/2. [3] المصباح المنير، ص : 162. [4] حسن الأسوة، ص : 19. [5] حسن الأسوة، ص : 19.

4

مطلقہ عورتوں کی عدت اور مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی تشریح

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝﴾

’’اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک اپنے آپ کو حالت انتظار میں رکھیں اور ان کے لیے جائز نہیں کہ اللہ نے ان کے پیٹ میں جو کچھ پیدا کیا ہے اسے چھپائیں، اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں (تو ایسا ہرگز نہ کریں) اور ان کے خاوند اگر اصلاح کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ زیادہ حق دار ہیں کہ انھیں اس (مدت) میں لوٹا لیں اور دستور کے مطابق عورتوں کے لیے مردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے لیے عورتوں پر ہیں اور مردوں کے لیے ان پر ایک فضیلت ہے اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے۔‘‘[1]

اللہ تعالیٰ کا یہ حکم کہ وہ تین حیض تک اپنے آپ کو (نیا نکاح کرنے سے) روکے رکھیں، ان طلاق یافتہ عورتوں کے لیے ہے جن کے ساتھ خلوت صحیحہ، یعنی دخول ہو چکا

[1] البقرة 2 : 228.

ہو اور انھیں حیض بھی آ تا ہو، یعنی ایسی عورتیں جنھیں ماہواری کا خون آ تا ہے اور ان کے خاوند انھیں طلاق دے دیتے ہیں تو ایسی خواتین کے لیے ضروری ہے کہ تین حیض تک شادی نہ کریں۔ اس کے بعد اگر نئی شادی کرنا چاہیں تو کر لیں۔[1]

آیت مذکورہ میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ جن عورتوں کو ان کے خاوند طلاق دے دیں وہ تین طہر یا حیض[2] تک (نیا نکاح کرنے کے لیے) انتظار کریں اور ان کے لیے اپنا حیض یا حالتِ حمل چھپانا جائز نہیں کیونکہ اس طرح اس سے بسا اوقات خاوند کو نقصان پہنچتا ہے اور اس کی حق تلفی ہوتی ہے، مثلاً: اگر عورت کہے کہ اسے حیض آ گیا ہے جبکہ حقیقتاً اسے حیض نہ آیا ہو تو اس نے گویا خاوند کے حقِ رجوع کا خاتمہ کر کے اس کی حق تلفی کی اور اگر کہے کہ اسے حیض نہیں آیا، حالانکہ اسے حیض آ چکا ہو تو اس طرح اس نے خاوند کے ذمے بے جا نفقہ ضروری ٹھہرا کر اسے نقصان پہنچایا۔ حمل کی بھی یہی صورت حال ہے کہ عورت بسا اوقات اسے چھپا کر خاوند کا حق رجوع ختم کر دیتی ہے۔ اور بسا اوقات نان نفقے کی غرض سے دعویٰ کر دیتی ہے کہ وہ حاملہ ہے۔ اسی طرح دیگر وہ تمام صورتیں جن سے خاوند کو نقصان پہنچانا مقصود ہو، ناجائز ہیں۔ اور عورت کے انقضائے عدت کے دعوے کی تصدیق کتنی مدت میں معتبر ہوگی؟ اس بارے میں علماء کے کئی اقوال ہیں۔

آیت مذکورہ میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ عورت کے نفی و اثبات، یعنی حیض یا حمل کی اطلاع کے بارے میں اس کی بات قبول کی جائے گی۔[3]

[1] المصباح المنیر، ص: 165. [2] مطلقہ تین طہر عدت گزارے گی یا تین حیض اس میں اختلاف ہے، راجح تین حیض ہے۔ [3] حسن الأسوة، ص: 23.

اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ عورت جب تک حالتِ عدت میں ہے (اس کے نہ چاہتے ہوئے بھی) اس کا خاوند اس سے رجوع کرنے کا حق رکھتا ہے، بشرطیکہ اس کے واپس لانے کا مقصد اصلاح اور بھلائی ہو۔ رجوع کے لیے ضروری ہے کہ اس کا مقصد عورت کو ستانا نہ ہو بلکہ بسانا ہو۔[1]

اسی طرح میاں بیوی کے حقوق بھی واضح کیے گئے ہیں اور ہر ایک کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ دستور کے مطابق ایک دوسرے کا حق ادا کریں، نیز مردوں کی عورتوں پر فضیلت بھی بیان کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں قدر و منزلت، تخلیقی اور اخلاقی بلندی سے سرفراز فرمایا، عورت پر اس کی اطاعت واجب ٹھہرائی، عورت پر خرچ کرنے اور اس کی ضروریات کی نگرانی کرنے جیسے احکام کی تعمیل کا اسے پابند بنایا اور دنیا و آخرت میں عورت پر فضیلت بخشی۔[2]

5

طلاق اور خلع کے مدارج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ﴾

[1] المصباح المنیر، ص: 165. [2] المصباح المنیر، ص: 166.

”طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر یا تو (عورت کو) دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم انھیں جو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لو الا یہ کہ دونوں کو ڈر ہو کہ وہ اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے، پس اگر تمھیں ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ عورت فدیے میں وہ مال دے (کر خلع حاصل کر لے۔)“ [1]

اس آیت میں ابتدائے اسلام کے اس حکم کو منسوخ کر دیا گیا جس کے تحت ایک آدمی اپنی بیوی کو عدت کے دوران میں واپس لانے کا حق رکھتا تھا، چاہے اس نے سو بار ہی طلاق دی ہوتی۔ اس میں بیویوں کا نقصان اور ان کی حق تلفی ہوتی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے طلاق کو صرف تین طلاقوں تک محدود کر دیا۔ پہلی اور دوسری کے بعد اس کے لیے رجوع کرنا جائز رکھا اور تیسری کے بعد رجوع کا حق ختم کر کے مکمل علیحدگی کر دی اور بیوی کو آزاد کر دیا۔ [2]

اس آیت میں یہ بات وضاحت سے بتا دی گئی ہے کہ مردوں کو صرف دو طلاقیں دینے کے بعد تک رجوع کا حق ہے اور تیسری طلاق کے بعد ان کا حق رجوع ختم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”مرتان“ کہا ہے ”طلقتان“ نہیں کہا، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ ایک طلاق کے بعد دوسری دینی چاہیے، بیک وقت دینی جائز نہیں ہیں۔ [3]

ابو عمرو فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت کی مکمل آزادی دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق دینے پر ہوتی ہے، یعنی اس کے بعد مرد کو حق رجوع

[1] البقرة 2 : 229. [2] المصباح المنير، ص : 166. [3] حسن الأسوة، ص : 25.

نہیں رہتا۔

تین طلاقیں بیک وقت اور ایک ہی مجلس میں دینے اور ان کے واقع ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہے، نیز تینوں مؤثر ہوں گی یا بیک وقت اور ایک مجلس کی تینوں ایک شمار ہو گی، اس میں بھی علماء کی مختلف آراء ہیں۔ جمہور علماء کہتے ہیں کہ تینوں مؤثر ہو جائیں گی۔ دوسرے کئی علماء کا موقف یہ ہے کہ بیک وقت اور ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہی شمار ہو گی۔ اور یہی رائے حق ہے۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ نے اپنی مؤلفات میں اسے زور دار طریقے سے ثابت کیا ہے۔ [1] اور اس بارے میں مستقل رسالہ لکھا ہے۔ [2] اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اس بات سے روکا ہے کہ وہ طلاق کے وقت عورتوں سے حق مہر کی واپسی کا مطالبہ کریں، بالخصوص جب ان کا مقصد انھیں نقصان پہنچانا ہو، یعنی نہ انھیں گھر میں بسائیں اور نہ طلاق دیں بلکہ طلاق دینے کے لیے دیا ہوا مال واپس طلب کریں جبکہ عورت نے اپنی طرف سے طلاق لینے کا کوئی ارادہ بھی ظاہر نہ کیا ہو۔

6

حلالہ کے احکام

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۭ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ﴾

[1] فتح القدير :302,301/1. [2] حسن الأسوة، ص: 25.

"پھر اگر وہ (خاوند) اسے (تیسری) طلاق دے دے تو اس کے بعد وہ (عورت) اس کے لیے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ اس کے علاوہ کسی اور خاوند سے نکاح کرے، پھر اگر وہ بھی اسے طلاق دے دے تو ان دونوں (سابقہ میاں بیوی) پر کوئی گناہ نہیں کہ آپس میں رجوع کر لیں اگر وہ دونوں خیال کریں کہ اللہ کی حدیں قائم رکھ سکیں گے۔"[1]

اس آیت میں اس بات کی وضاحت ہے کہ تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں ہوسکتا، یعنی جب مرد عورت کو پہلے دو طلاقیں دے چکا ہو، پھر اس کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے تو وہ عورت اس کے لیے حرام ہوجائے گی۔[2] اب یہ اس کی طرف رجوع کرسکتا ہے نہ اس سے نیا نکاح کرسکتا ہے تاوقتیکہ وہ عورت عدت گزارنے کے بعد کسی دوسرے مرد سے نکاح کرے اور وہ اس سے مجامعت بھی کرے جیسا کہ ﴿حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ سے واضح ہوتا ہے۔ یاد رہے! اس نکاح میں دو چیزیں شرطِ لازم ہیں۔ پہلی شرط یہ کہ نیا مرد اس عورت کو بیوی بنا کر باقاعدہ بسانے کی غرض سے نکاح کرے، محض دوسرے کے لیے اسے حلال کرنے کا منصوبہ یا مقصد نہ ہو۔ دوسری شرط یہ کہ مرد نے اس سے مجامعت بھی کی ہو۔[3]

اس حکم کو مشروع قرار دینے کی حکمت یہ ہے کہ کوئی شخص طلاق دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے اور تین طلاقیں دینے کے بعد رجوع کی تمنا اور اس عورت سے رغبت نہ رکھے۔[4]

[1] البقرة 2 : 230. [2] المصباح المنير، ص : 168. [3] حسن الأسوة، ص : 27. [4] حسن الأسوة، ص : 27.

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مطلقہ عورت کے نکاح ثانی کا مقصود اور مطمحِ نظر محض یہ ہو کہ نیا شوہر اسے سابقہ شوہر کے لیے حلال کرنے کی راہ ہموار کردے تو یہ فعل سراسر حرام اور دلائل کی رو سے موجب لعنت ہے۔ ایسا کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں کی شریعت نے مذمت کی ہے اور حلال کرنے والے کو کرائے کا سانڈ قرار دے کر ملعون ٹھہرایا ہے اور ایسا کروانے والا بھی ملعون ہے۔[1]

حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے کیا جارہا ہو دونوں پر لعنت کی بہت سی احادیث وارد ہیں، ان میں سے ایک درج ذیل ہے:

«لَعَنَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ»

"نبیٔ اکرم ﷺ نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کیا جائے، دونوں پر لعنت کی ہے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے حلالہ کی ایک ہی جائز صورت بیان کی ہے جس کی رو سے عورت تین طلاقیں ہوجانے کے بعد پہلے خاوند کے لیے حلال ہوسکتی ہے۔ وہ صورت یہ ہے کہ وہ سابق شوہر کے عقد زوجیت سے نکلنے کے بعد مقررہ عدت پوری کر کے اپنی آزادانہ مرضی سے نیا نکاح کرے۔ اب اگر اس کا نیا شوہر اسے کسی وجہ سے طلاق دے دے یا فوت ہوجائے تو وہ عدت گزار کر اپنے پہلے خاوند سے یا کسی اور مرد سے نکاح کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ مرد کا عورت کو پہلے خاوند سے نکاح کرنے کی غرض سے طلاق دینا یا عورت کا پہلے خاوند سے دوبارہ نکاح کے لیے طلاق کا مطالبہ کرنا درست نہ ہوگا۔

[1] حسن الأسوة، ص : 27. [2] مسند أحمد : 323/2، وجامع الترمذي، النكاح، باب ماجاء في المحلل والمحلل له، حديث: 1120.

اگر حلالہ کی مذکورہ صحیح صورت کے بعد عورت پہلے خاوند سے نکاح کرتی ہے تو یہ نکاحِ جدید شمار ہوگا اور پہلے نکاح میں دی گئی طلاقوں کا اعتبار ساقط ہوجائے گا اور اب نئے نکاح کی تین طلاقوں کا حق مرد کے پاس ہوگا۔[1]

7

عدت کا حکم اور خواتین پر ظلم کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۠ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا﴾

’’اور جب تم عورتوں کو (پہلی یا دوسری) طلاق دو، پھر ان کی عدت پوری ہونے کو ہو تو انھیں دستور کے مطابق روک لو یا انھیں دستور کے مطابق چھوڑ دو اور انھیں ستانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم زیادتی کرو۔‘‘[2]

اللہ عزوجل نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو رجعی طلاق (جس میں رجوع کا حق ہو) دے تو دورانِ عدت میں اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور جب عدت ختم ہونے کو ہو تو اگر اسے اپنی زوجیت میں رکھنا چاہے تو اچھے طریقے سے اس سے مصالحت کرلے اور رجوع کرنے پر گواہ مقرر کرلے، پھر دستور کے مطابق رجوع کی نیت کرلے ورنہ اس کی عدت پوری ہونے پر اسے اپنے گھر سے

[1] فتح القدير: 416/1، وحسن الأسوة، ص: 28. [2] البقرة 2: 231.

باعزت رخصت کردے، اسے برا بھلا کہے نہ گالی گلوچ کرے بلکہ بغیر مخاصمت کے شریفانہ طور پر اسے گھر سے روانہ کردے۔[1] (یاد رہے پہلی یا دوسری طلاق کے بعد عورت عدت اپنے خاوند ہی کے گھر گزارے گی)۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں: صورت حال یوں تھی کہ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیتا اور جب عدت ختم ہونے کے قریب ہوتی تو عورت کو اذیت دینے کے لیے رجوع کرلیتا تاکہ وہ کسی اور سے نکاح نہ کرلے، پھر طلاق دے دیتا اور جب عدت ختم ہونے کو ہوتی تو مزید طلاق دے دیتا تاکہ اس کی عدت کا دورانیہ نئی طلاق سے شروع ہوکر بڑھ جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرزِ عمل سے منع فرما دیا اور ایسا کرنے پر شدید سزا کی وعید سنائی۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾

’’اور جو (شخص) ایسا کرتا ہے، یقیناً اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔‘‘[3]

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرکے اس نے اپنے اوپر ظلم کیا۔

8

عورتوں کو نکاح سے روکنے کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 169,168. [2] المصباح المنير، ص: 169، وتفسير ابن أبي حاتم: 425/2. [3] البقرة 2: 231.

﴿وَاِذَا طَلَّقۡتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغۡنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعۡضُلُوۡهُنَّ اَنۡ يَّنۡكِحۡنَ اَزۡوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوۡا بَيۡنَهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ﴾

"اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں تو تم انھیں اس بات سے مت روکو کہ وہ اپنے (پہلے) خاوندوں سے نکاح کریں جبکہ وہ دستور کے مطابق آپس میں راضی ہوں۔"[1]

درج بالا آیت میں فرمایا ہے کہ اگر عورت دستور کے مطابق پہلے خاوند سے نکاح کرنا چاہے تو اس کے ولی کو اس کی مزاحمت نہیں کرنی چاہیے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: یہ آیت ایسے شخص کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دیتا ہے۔ جب اس مطلقہ کی عدت گزر جاتی ہے تو اس شخص کا پروگرام بنتا ہے کہ دوبارہ نکاح کر کے اسے واپس لے آئے اور عورت بھی اس پر رضامند ہے لیکن اس عورت کے اولیاء اسے ایسا کرنے سے روکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انھیں روکنے سے منع فرمایا ہے۔[2]

مذکورہ بالا آیت اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ عورت بذات خود آزادانہ اپنا نکاح نہیں کرسکتی بلکہ اس کے ولی اور سرپرست کا ہونا ضروری ہے جیسا کہ امام ترمذی اور ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر میں صراحت کی ہے۔[3]

حدیث نبوی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ، وَلَا تُزَوِّجُ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا، فَإِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِي تُزَوِّجُ نَفْسَهَا»

[1] البقرة 2 : 232. [2] المصباح المنير، ص : 169. [3] المصباح المنير، ص: 170,169.

"کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کرے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے۔ بے شک زانیہ ہی اپنا نکاح از خود کرتی ہے۔"[1]

مذکورہ بالا آیت سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ اور ان کی بہن کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری میں اس کا ذکر کیا ہے۔[2]

قصہ یوں ہے کہ نبیٔ اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیلہ رضی اللہ عنہا کی شادی عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ سے کی۔ وہ ان کی زوجیت میں کچھ وقت رہیں، پھر عاصم نے انھیں ایک طلاق دے دی اور رجوع نہ کیا یہاں تک کہ ان کی عدت گزر گئی۔ یہ دونوں اکٹھے رہنا چاہتے تھے مگر معقل نے جمیلہ کی نسبت خطاب سے کردی اور عاصم سے کہا: اللہ کی قسم! میں اس کا نکاح آپ سے ہرگز نہیں ہونے دوں گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ معقل نے جب یہ آیت سنی تو کہا: میں اپنے رب کے ارشاد کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں، پھر عاصم کو بلا کر کہا: میں اس (جمیلہ) کا نکاح تجھ سے کرتا ہوں اور تیری عزت بھی کرتا ہوں۔[3]

9

ماں کا بچے کو دودھ پلانے اور چھڑانے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] سنن ابن ماجه، النكاح، باب لانكاح إلابولي، حديث: 1882. [2] فتح الباري : 40/8.
[3] المصباح المنير، ص : 170، وجامع الترمذي، تفسير القرآن، باب ومن سورة البقرة، ◄◄

﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۗ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

’’اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں، (یہ حکم) اس شخص کے لیے ہے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے (اس صورت میں) باپ کے ذمے ہے کہ ان (ماؤں) کو دستور کے مطابق کھانا اور کپڑا دے، کسی جان پر اس کی گنجائش سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالا جائے، نہ ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف دی جائے اور نہ باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے (تنگ کیا جائے) اور (اگر باپ مر جائے تو) اس کے وارث کا یہی ذمہ ہے، پھر اگر دونوں (ماں باپ) آپس کی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں اور اگر تم ارادہ کرو کہ اپنی اولاد کو کسی اور عورت سے دودھ پلواؤ تو تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تم وہ معاوضہ ادا کر دو جو تم نے دستور کے مطابق دینا طے کیا ہو۔‘‘[1]

یہ اللہ تعالیٰ کی ماؤں کو ہدایت ہے کہ وہ اپنی اولاد کی مدت رضاعت مکمل کریں۔ یہ مدت صرف دو سال ہے، اس کے بعد رضاعت کا اعتبار نہیں ہوگا۔ اس لیے فرمایا:

﴿لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾

◄◄ حدیث: 2981. (1) البقرة 2 :233.

’’جو مدت رضاعت پوری کرنا چاہے۔‘‘[1]

لہٰذا رضاعت سے حرمت اسی وقت ثابت ہوگی جب دو سال کے اندر اندر دودھ پلایا ہو۔ اگر کسی بچے نے دو سال کی عمر کے بعد دودھ پیا تو وہ محرم نہیں بنے گا۔[2]

آیت میں مذکور تاکید دلالت کرتی ہے کہ مدت رضاعت دو سال ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے موقف کی بھی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اور امام زفر کے قول کا بھی رد ہے جو کہتے ہیں کہ مدت رضاعت تین سال ہے۔[3]

مذکورہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ مدت رضاعت زیادہ سے زیادہ دو سال ہے۔ ضروری نہیں کہ پورے دو سال ہی دودھ پلایا جائے بلکہ بچے کی اچھی صحت یا کسی اور وجہ سے دو سال سے کم مدت تک بھی دودھ پلایا جاسکتا ہے۔ بچے کے والد کے ذمے فرض ہے کہ اپنے بچے کی ماں کو دستور کے مطابق خوراک اور لباس مہیا کرے، چاہے وہ اس کے عقد نکاح میں ہو یا اسے طلاق دے چکا ہو اور یہ عمل ہر شخص کی استطاعت کے مطابق ہوگا۔[4]

علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس نابالغ اولاد کا جس کے پاس مال نہیں ہے، خرچہ بھی والد کے ذمے ہے۔[5]

آیت میں زوجین کے ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے اور اذیت دینے سے منع کیا گیا ہے، یعنی ایسا نہ ہو کہ خاوند اس کی حق تلفی کرے، اسے نان نفقہ نہ دے یا اس سے اس کا بچہ

(1) البقرة 2 :233. (2) المصباح المنير، ص:170. (3) حسن الأسوة، ص:31,30. (4) حسن الأسوة، ص:31. (5) تفسير القرطبي: 163/3.

بلاوجہ چھین لے۔ اور ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ بیوی بچے کی وجہ سے خاوند کو اذیت دے اور اتنا خرچ مانگے جو خاوند کی استطاعت سے بڑھ کر ہو یا کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرنی منع ہے جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو بھی نقصان یا اذیت پہنچے۔[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ اگر والدین باہمی رضامندی سے بچے کی مصلحت کی خاطر دو سال سے پہلے ہی اس کا دودھ چھڑوانا چاہیں تو کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح اگر والدین باہمی مشورے سے کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اگر عورت طلاق ہوجانے کے بعد بچے کو کچھ عرصہ دودھ پلاتی ہے، پھر اس کے کسی عذر کی وجہ سے یا باپ کے کسی عذر کی بنا پر باہمی رضامندی سے والد اپنے بچے کو کسی اور عورت سے دودھ پلوانا چاہتا ہے تو اچھے طریقے سے اس کی سابقہ اجرت ادا کر کے کسی اور سے دودھ پلوا سکتا ہے۔[2]

آخر میں اللہ تعالیٰ نے ہر حال میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اپنے بندوں کو متنبہ فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت ان کے تمام اقوال، اعمال اور احوال پر نظر رکھتا ہے اور اس کی نگران نگاہ سے ان کی کوئی چیز مخفی نہیں۔

10

جس عورت کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت کا معاملہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] حسن الأسوة، ص :31. [2] المصباح المنير، ص :171.

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

''اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ چار ماہ دس دن اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں، پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو تم پر کوئی گناہ نہیں، وہ اپنی ذات کے معاملے میں دستور کے مطابق جو چاہیں کریں (انھیں اختیار ہے۔)''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کو جن کے خاوند فوت ہوجائیں حکم دیا ہے کہ وہ چار ماہ دس دن عدت گزاریں۔ اس میں وہ عورتیں جن سے خلوت صحیحہ، یعنی مباشرت ہوچکی ہو یا ابھی تک خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو بلکہ محض نکاح ہی ہوا ہو، سبھی شامل ہیں۔ اس بات پر اجماع ہے۔[2]

چار ماہ دس دن عدت گزارنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ ہے کہ جنین اگر مذکر ہو تو عموماً تین ماہ میں اور مؤنث ہو تو چار ماہ میں حرکت شروع کر دیتا ہے۔ دس دن مزید عدت اس لیے مقرر کی کہ اگر جنین کمزوری کی وجہ سے کچھ تاخیر سے حرکت کرے، تب بھی معلوم ہوجائے۔ لیکن اس کی حرکت کرنے میں اس سے زیادہ تاخیر نہیں ہوتی۔[3]

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عدت ہر اس عورت کے لیے ہے جس کا خاوند فوت ہوجائے چاہے وہ مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ۔ لیکن حاملہ عورت اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] البقرة 2 : 234. [2] المصباح المنير، ص :171. [3] حسن الأسوة، ص :33,32.

﴿وَ اُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾

''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضعِ حمل تک ہے۔''[1]

جمہور علماء کا موقف بھی یہی ہے کہ حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے۔ صحیح حدیث میں نبیٔ اکرم ﷺ سے اسی طرح مروی ہے کہ آپ نے سبیعہ اسلمیہ کو وضعِ حمل کے بعد شادی کی اجازت دے دی تھی۔[2]

مذکورہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، وہ عدت سوگ بھی منائے، یعنی حالت غم میں رہے۔ اس کی تصدیق صحیحین کی حدیث سے ہوتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ إِلَّا عَلٰى زَوْجٍ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا»

''جو عورت اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ احداد کرے۔ ہاں، خاوند کی وفات پر چار ماہ دس دن تک احداد کرے۔''[3]

احداد (سوگ منانے) کا مطلب یہ ہے کہ زیب و زینت ترک کر دے، خوشبو نہ لگائے، زیور اور بھڑکیلا لباس وغیرہ نہ پہنے اور یہ اس کے لیے واجب ہے۔

عورت بوڑھی ہو یا بچی، آزاد ہو یا لونڈی، کتابیہ ہو یا مسلمان آیت کے عموم کے

[1] الطلاق 65:4. [2] فتح الباري : 834,833/8. [3] صحيح البخاري، الطلاق، باب تحد المتوفي عنها، حديث : 5334، وصحيح مسلم، الطلاق، باب وجوب الإحداد......، حديث: 1486.

پیشِ نظر عدت وفات گزارنے میں سبھی برابر ہیں۔[1]

11

عدت میں پیغام نکاح اشارے کنائے ہی میں دینا چاہیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ﴾

''اور اس بات میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم عورتوں کی عدت کے دوران میں انھیں اشارے کنائے میں نکاح کا پیغام دو یا تم اپنا ارادہ اپنے دلوں میں چھپائے رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر ضرور کرو گے لیکن ان سے نکاح کا خفیہ وعدہ نہ کرو مگر یہی کہ دستور کے مطابق بات کہو اور عقدِ نکاح باندھنے کا فیصلہ مت کرو یہاں تک کہ عدت پوری ہو جائے۔''[2]

عورت عدتِ وفات گزار رہی ہو یا طلاق بائنہ کی عدت شوہر کی زندگی میں، ہر دو صورتوں میں اسے صراحتاً پیغام نکاح دینا درست نہیں ہے، ہاں! طلاق بائنہ والی کو اس کا طلاق دینے والا خاوند صریحاً پیغام نکاح دے سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ ''لیکن ان سے خفیہ پختہ عہد نہ کر لو۔'' کا یہی مفہوم ہے، البتہ

[1] المصباح المنير، ص : 172 بتصرف. [2] البقرة 2 : 235.

اشارے کنائے سے پیغام نکاح دینے کی اجازت ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد عالی کے مطابق اس میں کوئی گناہ نہیں۔

صراحت اور اشارے کنائے میں فرق یہ ہے کہ صراحت میں نکاح کے علاوہ کسی اور بات کا احتمال نہیں ہوتا، اس لیے اس خوف سے کہ عورت نکاح میں رغبت کی وجہ سے جلد بازی کر لے اور عدت پوری ہونے کے معاملے میں جھوٹ کی مرتکب ہو، اس لیے اس گناہ سے بچنے کے لیے تصریحِ پیغامِ نکاح حرام قرار دی گئی ہے۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حرام کی طرف لے جانے والے وسائل بھی ممنوع ہیں۔ اور عدت پہلے شوہر کا حق ہے جسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کا خفیہ عہد و پیمان کیے بغیر پورا کرنا ضروری ہے، اس لیے شریعت نے کسی اور مرد سے نکاح کے وعدے کا سدباب کر کے پہلے خاوند کا حق برقرار رکھا ہے۔

رہی تعریض تو اس میں نکاح کے علاوہ دیگر کئی باتوں کا بھی احتمال ہوسکتا ہے اور یہ تعریض بائنہ عورت کے لیے بھی جائز ہے، جیسے کوئی کہے: میرا شادی کا ارادہ ہے یا کہے: جب تمھاری عدت گزر جائے تو (شادی کے بارے میں) مجھ سے مشورہ کر لینا۔ ......اس نوعیت کا اشارہ جائز ہے۔

اس لیے کہ تعریض تصریح کی مانند نہیں ہے اور نفوس انسانی کے اندر اس کا قوی داعیہ موجود ہوتا ہے۔[1] چنانچہ وہ تعریض سے بھی سمجھ جاتے ہیں۔

اس آیت میں پیغام نکاح بھیجنے والوں کو اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ وہ عدت گزرنے سے پہلے نکاح کا بندھن مضبوط نہ کریں۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، شعبی،

[1] تفسير السعدي، ص: 105.

قتادہ اور ربیع رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔ اور علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دوران عدت کیا گیا عقدِ نکاح ساقط الاعتبار ہوگا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں ان کے دل میں عورتوں کے بارے میں چھپی ہوئی باتوں پر تنبیہ کرتے ہوئے رہنمائی فرمائی ہے کہ ان کے بارے میں ہمیشہ بھلائی اور خیر خواہی کی نیت رکھو، برائی کی نیت نہ رکھو۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی رحمت و عنایت سے مایوس نہیں کیا۔[1]

لہٰذا فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝﴾ کہ جس سے گناہ سرزد ہو جائے اور وہ اس سے توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کر لے اس کے لیے اللہ تعالیٰ غفور ہے۔ اور اللہ رب العزت کی ایک صفت جلیلہ یہ ہے کہ وہ حلیم ہے، یعنی نافرمانوں کا ان کی معصیتوں پر جلد مؤاخذہ نہیں کرتا، حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے۔[2]

12

بیوی کو یکجائی یا مہر کے تعین سے پہلے طلاق دینے کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ

[1] المصباح المنير، ص: 174,173 بتصرف. [2] تفسير السعدي، ص: 106.

﴿وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّآ أَن يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِى بِيَدِهِۦ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَن تَعْفُوٓا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ﴾

”تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو جبکہ تم نے انھیں ہاتھ نہ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے کچھ مہر مقرر کیا ہو اور انھیں کچھ مال و متاع دے دو، وسعت والے آدمی پر اس کی حیثیت کے مطابق ہے اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق فائدہ پہنچانا ہے معروف طریقے سے، (یہ) نیکی کرنے والوں پر لازم ہے۔ اور اگر تم انھیں ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دو جبکہ تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس (مہر) کا نصف ادا کرنا ہوگا جو تم نے مقرر کیا ہو۔ ہاں! وہ عورتیں چاہیں تو (مہر) معاف کر سکتی ہیں یا وہ شخص معاف کر سکتا ہے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے اور تم معاف کر دو تو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور تم آپس میں بھلائی اور احسان کا برتاؤ کرنا مت بھولو۔“[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے عقد نکاح کے بعد اور خلوت صحیحہ، یعنی دخول سے پہلے طلاق دینے کو جائز قرار دیا ہے مزید برآں اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے عورت کو کچھ مالی فائدہ بہم پہنچانے کا حکم بھی دیا ہے، یہ دراصل اس کے نقصان کا معاوضہ ہے۔ (ظاہر ہے نکاح ہونے کے بعد طلاق ہو جانے سے اس کی حیثیت میں فرق پڑ جاتا ہے۔) اس لیے خاوند کو اپنی استطاعت کے مطابق دلجوئی کا حکم ہے۔ فراخ دست پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے مطابق۔[2] مردوں پر

[1] البقرة 2 : 237,236. [2] المصباح المنير، ص : 174.

اپنی بیویوں کو چھونے اور حق مہر مقرر کرنے سے پہلے (کسی وجہ سے) طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے، ہر چند اس میں عورت کے لیے نقصان ہے، تاہم کچھ دے دینے سے ان کے نقصان کی تلافی اور دلجوئی ہو جاتی ہے۔ نیکو کار لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ خوش دلی سے مال دینے کے ساتھ ساتھ ان کی دل جوئی بھی کریں اور ان کے اس حق میں کوئی کمی نہ کریں، پس جیسے وہ عورتوں کی امید و اشتیاق اور تمنائے رفاقت کا سبب بنے لیکن انھیں اپنی رفاقت نہ دے سکے تو اس کے بدلے میں انھیں فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔[1]

اور اگر تم مہر مقرر کرنے کے بعد ان سے ملاپ سے پہلے طلاق دے دو تو مطلقہ عورتوں کے لیے طے شدہ مہر میں سے نصف مہر ہے اور باقی نصف تمھارا ہے۔ مہر کی یہ رقم اگر عورت کی طرف سے معاف نہ کی جائے تو خاوند پر اس کی ادائیگی واجب ہے اور اگر عورت برضا و رغبت معاف کر دے تو پھر مرد کے ذمے ادائیگی ضروری نہیں۔

رہا وہ شخص جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون ہے؟ اس سے مراد شوہر ہے یا عورت کا ولی۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد خاوند ہے کیونکہ وہی نکاح کی گرہ کھول سکتا ہے اور عورت کے ولی کے لیے تو یہ کسی طور درست نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کر دے کیونکہ وہ اس کا مالک ہے نہ وکیل۔[2]

شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہ اللہ نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ اس سے مراد عورت کا ولی، یعنی باپ وغیرہ ہے، وہ فرماتے ہیں...... مجھ پر یہ واضح ہوا کہ جس

[1] تفسير السعدي، ص : 106. [2] المصباح المنير، ص: 174، وتفسير السعدي، ص : 106.

کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، وہ قریب ترین ولی ہے اور وہ باپ ہے۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے یہی قول زیادہ صحیح ہے۔[1]

13

طلاق یافتہ عورتوں کو فائدہ پہنچانے کا حکم

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾

''اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی دستور کے مطابق کچھ دے دلا کر رخصت کیا جائے۔''[2]

جو علماء ہر مطلقہ کے لیے متعہ (فائدہ پہنچانے) کے وجوب کے قائل ہیں، انھوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ ان کے نزدیک ہر مطلقہ، خواہ اس کا حق مہر مقرر رہا ہو یا نہ ہوا ہو، اسے چھونے سے پہلے طلاق ہو جائے یا خلوت صحیحہ کے بعد، انھیں بہر حال فائدہ پہنچایا جائے گا۔ سلف میں سے سعید بن جبیر رحمہ اللہ وغیرہ کا یہی موقف ہے۔[3]

ہر طلاق یافتہ عورت کو دستور کے مطابق خوش دلی سے فائدہ پہنچانا ہر متقی پر واجب ہے تاکہ عورت کی دلجوئی ہو سکے اور اس کے بعض حقوق ادا ہو سکیں۔[4]

حضرت عبدالرحمٰن بن زید اس آیت کی شان نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے

(1) تفسير السعدي، ص: 106. (2) البقرة 2 :241. (3) المصباح المنير، ص: 178. (4) تفسير السعدي، ص: 107.

ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے درج ذیل آیت نازل کی:

﴿ مَتَاعًاۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ○ ﴾

''دستور کے مطابق فائدہ دینا نیکوکاروں پر لازم ہے۔''[1]

تو ایک شخص نے کہا: (کیونکہ یہ احسان ہے، اس لیے) اگر میں احسان کرنا چاہوں تو کروں اور نہ چاہوں تو نہ کروں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ.... ﴾ نازل فرمائی۔[2]

جب اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مسائل ذکر فرمائے جو اس کی حکمت اور رحمت پر مشتمل ہیں تو آخر میں بندوں پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾

''اللہ تعالیٰ اسی طرح تمھارے لیے اپنی آیات بیان فرماتا ہے۔''[3]

یعنی اپنی حدود، حلال، حرام اور وہ احکام جن میں تمھارا فائدہ ہے ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تاکہ تم انھیں سمجھو اور جانو اور ان کا اصل مقصد تمھیں معلوم ہو جائے۔[4]

14

مریم علیہا السلام کی برگزیدگی

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(1) البقرة 2 :236. (2) المصباح المنير، ص: 178، و تفسير الطبري: 599/2. (3) البقرة 2 :242. تفسير السعدي، ص: 107.

﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ○ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ○﴾

''اور (یاد کرو) جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا بھر کی عورتوں میں سے تجھے منتخب کیا ہے۔ اے مریم! اپنے رب کی فرماں برداری کر، سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔''[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سیدہ مریم علیہا السلام سے براہ راست خطاب کا ذکر فرمایا کہ انھوں نے سیدہ مریم علیہا السلام کو اللہ کے فیصلے سے آگاہ کیا کہ اللہ نے انھیں برگزیدگی بخشی ہے، یعنی ان کی کثرت عبادت، ان کے زہد، شرف و عظمت، وسوسوں اور تکدر سے پاک ہونے کی وجہ سے۔ پھر ان کے شرف اور جلالت کے پیش نظر انھیں تمام جہان کی عورتوں میں سے منتخب کر لیا۔[2]

پہلے اصطفا (برگزیدہ کرنے) کا تعلق آپ کی اچھی صفات اور نیک اعمال سے ہے اور دوسرے اصطفا کا مفہوم محترمہ کو ساری دنیا کی عورتوں سے افضل قرار دینا ہے۔ اس سے مراد یا تو اس زمانے کی دنیا بھر کی عورتیں مراد ہیں یا شروع سے لے کر آخر تک آنے والی تمام عورتیں ہیں۔ اور اس شرف میں ان کے ساتھ چند اور عورتوں، یعنی سیدہ خدیجہ، سیدہ عائشہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن کا شامل ہونا ان کے اصطفا کے منافی نہیں ہے۔[3]

[1] آل عمرٰن 3 : 43,42. [2] المصباح المنير، ص : 217. [3] تفسير السعدي، ص : 135.

صحیح حدیث میں ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَيْرُ نِسَائِهَا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ، وَخَيْرُ نِسَائِهَا خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ»

''(کائنات کی) بہترین عورتوں میں سے مریم بنت عمران ہیں اور (کائنات کی) بہترین عورتوں میں سے سیدہ خدیجہ بنت خویلد ہیں۔''[1]

ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كَمُلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَإِنَّ فَضْلَ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلٰى سَائِرِ الطَّعَامِ»

''مردوں میں سے تو بہت کامل ہوئے لیکن عورتوں میں سے صرف مریم بنت عمران اور آسیہ فرعون کی بیوی کامل ہوئیں اور عائشہ کی فضیلت دوسری عورتوں پر ایسے ہی ہے جیسے ثرید کی فضیلت دوسرے کھانوں پر۔''[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے متعلق خبر دی کہ انھوں نے مریم علیہا السلام کو کثرت عبادت، خشوع و خضوع، رکوع و سجود کی کثرت اور اعمال میں ہمیشگی و دوام کا حکم سنایا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اسے مستقبل میں شرف عظیم سے نوازنے والا تھا اور اس میں اپنی قدرت

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب: ﴿وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ ......﴾، حديث: 3432، وصحيح مسلم، فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها ، حديث: 2430. [2] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب قول الله تعالىٰ: ﴿وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ......﴾، حديث: 3411، وصحيح مسلم، فضائل الصحابه، باب من فضائل خديجة أم المؤمنين رضي الله عنها، حديث: 2431.

کے عظیم کرشمے ظاہر کرنا چاہتا تھا جیسا کہ اس نے اپنی قدرت عظیمہ سے اسے بغیر باپ کے بیٹا عطا کیا۔[1]

نکتہ: آیت مذکورہ میں ارکعی کے ساتھ مع الراکعین کی قید ذکر کی گئی، اس سے بظاہر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رکوع کرنے میں لوگ عموماً اہتمام نہیں کرتے بلکہ وہ معمولی سا جھک کر اٹھ جاتے ہیں۔ لہٰذا رکوع کامل رکوع کرنے والوں جیسا ہونا چاہیے۔

15

اللہ تعالیٰ کسی کے اعمال ضائع نہیں کرتا

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔‘‘[2]

اس آیت کریمہ سے پہلے چار دعاؤں کا ذکر ہے اور یہ آیت ان دعاؤں کا جواب ہے۔ اور اللہ کے اولوالالباب اور مخلص بندوں نے جب اللہ سے چار مرتبہ ’’ربنا‘‘ کے واسطے سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا:

(1) المصباح المنیر، ص: 217. (2) آل عمرٰن 3 : 195.

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا۔‘‘[1]

یعنی میں تمھارے اعمال برباد نہیں کروں گا بلکہ ان کے صلے میں تمھیں ثواب دوں گا۔[2]

اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں، دعائے عبادت اور دعائے طلب، قبول کرلیں اور فرمایا: میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، پس تمام لوگوں کو ان کے اعمال کی پوری مزدوری ملے گی اور مزید عنایت بھی ہوگی۔[3] مرد اور عورتیں ثواب وعقاب میں مساوی ہیں۔[4]

اس آیت کا ایک سبب نزول ہے جیسا کہ سعید بن منصور نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے۔[5]

وہ یہ کہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے معاملے میں عورتوں کا کوئی ذکر نہیں کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى﴾

’’پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے

(1) آل عمرٰن 3 : 195. (2) حسن الأسوة، ص: 44. (3) تفسیر السعدي، ص: 173. (4) حسن الأسوة، ص: 44. (5) سنن سعید بن منصور: 1136/3.

والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، چاہے کوئی مرد ہو یا عورت۔"[1]

پھر اللہ تعالیٰ نے گناہ معاف کرنے، بلند درجات عطا کرنے اور دخول جنت کے اسباب کی تفصیل بیان فرمائی کہ یہ فضیلت ان کے محکم ایمان، ہجرت، وطن اور مال و متاع جیسی محبوب چیزوں کو اللہ کی رضا کی طلب کی خاطر چھوڑنے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ انھوں نے دارالشرک کو چھوڑ کر دارالایمان کو اپنا مسکن بنایا۔ اعزہ و اقارب کی مفارقت برداشت کی، مشرکین کے ظلم سہے جنھوں نے انھیں ہنستے بستے گھروں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ جرم کیا تھا؟ صرف یہ کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آئے تھے اور دین اسلام پر کاربند ہوگئے تھے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ثواب عظیم کے مستحق ٹھہرے اور نہ ختم ہونے والا اجر پا کر ہمیشہ کے لیے کامیاب ہوگئے۔

16

حواء علیہا السلام کی تخلیق

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ﴾

[1] آل عمرٰن 3 : 195.

"جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کر کے ان دونوں سے مرد اور عورتیں کثرت سے پھیلا دیں۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کا آغاز تقویٰ کے حکم، اپنی عبادت کی تاکید اور صلہ رحمی کے حکم اور اس کی تاکید سے کیا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تقویٰ کا حکم دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسی وحدہ لاشریک کی عبادت کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی قدرت سے آگاہ کیا کہ انھیں ایک جان، یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا کیا۔

﴿وَ خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ "اور ان سے ان کی بیوی (حواء) کو پیدا کیا۔" ان کی پیدائش کی کیفیت یہ تھی کہ آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو کی پچھلی پسلی سے انھیں پیدا کیا۔ اس دوران میں آدم علیہ السلام سوئے ہوئے تھے، بیدار ہوئے تو حواء کو اپنے پاس دیکھا، وہ انھیں اچھی لگیں، پھر وہ ایک دوسرے سے مانوس ہوگئے۔[3]

حدیث نبوی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ»

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سے سب سے زیادہ ٹیڑھی سب سے اوپر والی پسلی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو تو توڑ بیٹھو گے اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی ہی رہے گی، لہٰذا عورتوں کے بارے میں

[1] النسآء 4 :1. [2] تفسير السعدي، ص :174. [3] المصباح المنير، ص :271.

(خیرخواہی) وصیت قبول کرو۔‘‘ [1]

اور اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے آدم وحواء علیہما السلام سے بہت زیادہ مرد اور عورتیں پیدا کیے اور انھیں اطراف عالم میں پھیلا دیا۔ ان کے درجات، خوبیاں، رنگ اور زبانیں بھی باہم مختلف بنائیں اور وہ انجام کار اسی ذات کی طرف لوٹ کر آئیں گے اور اسی کے حضور اکٹھے ہوں گے۔ [2] پھر فرمایا:

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ط﴾

’’اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم آپس میں سوال کرتے ہو اور رشتے توڑنے سے ڈرو۔‘‘ [3]

رشتے داری کو توڑنے سے ڈرو کیونکہ قطع رحمی نہایت کبیرہ گناہ ہے اور صلۂ رحمی ہر اچھائی کا دروازہ ہے۔ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور رزق میں برکت ہوتی ہے اور قطع رحمی ہر برائی کی جڑ ہے اس لیے رشتہ داریوں کے بارے میں ڈرنے کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کے ساتھ ملایا ہے۔

مختلف لوگوں کی صلۂ رحمی کی نوعیت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کوئی احسان کر کے صلۂ رحمی کرتا ہے، کوئی خدمت کر کے اور کوئی ضروریات پوری کر کے صلۂ رحمی کرتا ہے اور کبھی صلۂ رحمی خط کتابت کے ذریعے سے ہوتی ہے اور کبھی اچھی گفتگو وغیرہ بھی صلۂ رحمی کا باعث ہوتی ہے۔ [4]

[1] صحيح البخاري، أحاديث الأنبياء، باب خلق آدم وذريته، حديث: 3331، وصحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 715-(3643). [2] المصباح المنير، ص: 271. [3] النسآء 4 :1. [4] حسن الأسوة، ص: 45.

بعض نے والأرحامِ کو مجرور پڑھا ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں بنتا ہے: ’’جس (اللہ) کے واسطے سے اور رشتہ داری کے واسطے سے ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، چنانچہ لوگ جب کسی سے کوئی سوال کرتے تو اللہ تعالیٰ اور رحم، یعنی رشتہ داری کا واسطہ دیتے، اسی طرح جب قسم ڈالتے تو پھر بھی اللہ تعالیٰ اور رحم کا ذکر کرتے ہوئے ’’أَنْشُدُكَ اللّٰهَ وَالرَّحِمَ‘‘ کہتے تھے۔

17

ایک سے زیادہ شادیوں کا مسئلہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓــًٔا مَّرِيْٓــًٔا ۝﴾

’’چنانچہ ان عورتوں میں سے جو تمھیں اچھی لگیں، دو دو، تین تین اور چار چار سے نکاح کرلو، پھر اگر تمھیں ڈر ہو کہ تم انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی سے (نکاح کرو) یا اپنی ملکیت کی لونڈیوں سے (ازدواجی تعلق رکھو) یہ زیادہ بہتر ہے کہ اس طرح تم ناانصافی کرنے سے بچے رہو گے۔ اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو، پھر اگر وہ اپنی مرضی سے تمھیں کچھ مہر چھوڑ دیں تو تم

اسے شوق سے کھا سکتے ہو۔"[1]

درج بالا دونوں آیات میں عورتوں کے متعلق خصوصی طور پر کئی ہدایات ہیں جیسا کہ یتیم لڑکی سے تھوڑے حق مہر پر نکاح سے منع فرمایا، یعنی اس کے خاندان کی لڑکیوں سے اس کا حق مہر کم نہ ہو، پھر فرمایا:

﴿وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ﴾

"اگر تمھیں ڈر ہو کہ یتیم عورتوں کے بارے میں انصاف نہیں کرسکو گے......"

یعنی اگر کسی کے زیرِ پرورش کوئی یتیم لڑکی ہو اور اسے خدشہ ہو کہ اگر وہ خود اس سے نکاح کرے گا تو مہر مثل ادا نہیں کرسکے گا تو اسے چاہیے کہ اس کے علاوہ کسی اور عورت سے نکاح کرلے۔[2]

اسی لیے فرمایا: ﴿فَانْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ "تو (ان کی بجائے) جو عورتیں تمھیں اچھی لگتی ہیں ان سے نکاح کرو۔" یعنی دین، مال، حسب ونسب اور حسن وجمال جیسی دیگر صفات جو نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان صفات کی حامل عورتوں میں سے جس کے ساتھ نکاح کرنے کا اختیار ہو اپنی صوابدید کے مطابق نکاح کرلو۔

سب سے بہترین نکاح کرنے والا وہ ہے جو دین کی صفت کا انتخاب کرے۔[3]

جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ : لِمَالِهَا ، وَلِحَسَبِهَا ، وَجَمَالِهَا ، وَلِدِينِهَا ، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ»

"عورت سے چار صفات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے

[1] النسآء 4 :4,3. [2] المصباح المنير، ص: 272. [3] تفسير السعدي، ص: 175.

حسب ونسب، اس کے حسن جمال اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں تو دین دار عورت سے نکاح کی کوشش کر کے کامیاب ہو جا۔"[1]

آیت میں مذکور ہدایات میں یہ ہدایت بھی ہے کہ (بیک وقت) چار سے زیادہ عورتیں نکاح میں نہ رکھی جائیں، یعنی جن عورتوں کا تم انتخاب کرو، جائز ہے۔ اگر کوئی دو رکھنا چاہتا ہے تو دو سے شادی کرلے اگر تین رکھنا چاہتا ہے تو تین رکھ لے اور اگر چار سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو چار عورتوں سے نکاح کرلے، البتہ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق اللہ تعالیٰ کے احسان کو بیان کرنے کے لیے ہے، پس جتنی تعداد اللہ تعالیٰ نے طے کردی ہے اس سے زیادہ بیویاں رکھنا بالاتفاق ناجائز ہے۔[2]

چار سے زیادہ بیویوں کی ممانعت اس لیے بھی ہے کہ سنت میں چار سے زیادہ بیویاں نہ رکھنے کی نص وارد ہوئی ہے۔ غیلان ثقفی رضی اللہ عنہ کے واقعے میں مذکور ہے کہ اسلام لاتے وقت ان کی دس بیویاں تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انھیں حکم دیا:

«اِخْتَرْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا»

"ان میں سے چار منتخب کرلو۔"[3]

اور ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَمْسِكْ مِنْهُنَّ أَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ»

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين ......، حديث: 5090، وصحيح مسلم، الرضاع، باب استحباب نكاح ذات الدين، حديث: 1466. [2] تفسير السعدي، ص: 175. [3] مسند أحمد: 14,13/2، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع......، حديث: 2241.

”ان میں سے چار اپنے پاس رکھ لو اور باقیوں کو الگ کر دو۔“[1]

یہ حدیث اس امر کی دلیل ہے کہ اگر چار سے زیادہ بیویوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جائز ہوتا تو رسول اکرم ﷺ غیلان کو اتنی تعداد کی اجازت دے دیتے جبکہ وہ ان ہی کے ساتھ اسلام لائی تھیں۔ جب آپ ﷺ نے چار بیویوں کے نکاح برقرار رکھنے اور باقیوں کو علیحدہ کرنے کا حکم دیا تو یہ بات اس کی دلیل ہے کہ بیک وقت چار سے زیادہ بیویاں رکھنا ہرگز جائز نہیں۔ جب پہلے سے منکوحہ بیویوں کو ساتھ رکھنے کی اجازت نہیں دی تو ازسرنو نکاح کی اجازت تو بالاولیٰ نہیں ہوگی۔[2]

جب عدل نہ کر سکنے کا خدشہ ہو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کی ہدایت کی گئی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح مذکورہ آیت کی ہدایات میں یہ بات بھی شامل ہے کہ حق مہر ادا کرنا واجب ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾

”اور عورتوں کو ان کے حق مہر خوش دلی سے دو۔“[3] نحلہ کے معنی مہر کیے گئے ہیں اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس کے معنی فریضہ کے ہیں، یعنی مہر دینا فرض ہے، لہٰذا عورت کو کوئی چیز دیے بغیر نکاح نہ کرو۔[4]

لیکن اگر وہ خود اپنی خوشی اور اختیار سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا ادائیگی میں مہلت دے دیں یا مہر کا کوئی عوض قبول کر لیں تو اس میں تمھیں کوئی گناہ نہیں۔

[1] مسند أحمد: 14,13/2، و سنن أبي داود، الطلاق، باب في من أسلم وعنده نساء أكثر من أربع......، حديث: 2241. [2] المصباح المنير، ص: 272. [3] النسآء 4 : 4. [4] المصباح المنير، ص: 273.

یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ اگر عورت عاقل اور بالغ ہے تو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتی ہے، چاہے وہ صدقہ کرے یا کوئی اور تصرف۔[1]

18

والدین کے ترکہ میں بیٹیوں کا حصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝﴾

”مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ جائیں، (یہ چھوڑا ہوا مال) تھوڑا ہو یا زیادہ، اس میں ہر ایک کا مقرر کیا ہوا حصہ ہے۔“[2]

زمانۂ جاہلیت میں عرب کی سرکشی اور قساوت قلبی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ وہ کمزوروں، یعنی عورتوں اور بچوں کو وراثت میں سے حصہ نہیں دیتے تھے، وہ صرف طاقتور مردوں کو میراث دیتے تھے، ان کے زعم کے مطابق یہی لوگ جنگ و جدل اور لوٹ مار میں حصہ لیتے تھے، پس حکمت والے رب رحیم نے چاہا کہ اپنے بندوں کے لیے وراثت کا ایسا قانون بنا دے جس میں ان کے مرد اور عورتیں، طاقتور اور کمزور

[1] تفسير السعدي، ص: 176. [2] النسآء 4 : 7.

سب برابر ہوں اور اس قانون کو بیان کرنے سے پہلے مجمل حکم بیان فرمایا تاکہ لوگ اس قانون میراث کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔[1]

(جب نفوس اسے قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے) تو فرمایا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ ''مردوں کے لیے حصہ ہے۔'' یعنی جو ماں اور باپ ترکہ چھوڑ جاتے ہیں یا دیگر رشتہ دار چھوڑ جاتے ہیں تو اس میں مردوں کے لیے حصہ ہے۔ یہاں خاص کے بعد عام کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح عورتوں کے لیے بھی ماں باپ اور دیگر قریبی رشتے داروں کی وراثت میں حصہ ہے، یعنی مرد اور عورتیں اصل وراثت میں سب شریک ہیں، تاہم اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حصوں کے مطابق ان کے حصوں میں تفاوت ہے۔ کبھی وہ حصہ قرابت کی بنیاد پر ہوتا ہے، کبھی رشتۂ زوجیت کی بنا پر اور کبھی ولاء کی وجہ سے کیونکہ وہ بھی نسب کی رشتہ داری کی طرح ہے۔[2]

میراث کا یہ حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور فرض ٹھہرایا ہے اور اس میں واجب سے زیادہ تاکید ہے۔ یہ آیت اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کسی وارث کے اپنے حصے سے اعراض کرنے سے اس کا حق ختم نہیں ہوتا۔[3]

19

میراث میں عورتوں کا حصہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] تفسير السعدي، ص: 176. [2] المصباح المنير، ص: 275. [3] حسن الأسوة، ص: 47.

﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ ۚ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ﴾

''اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں وصیت کرتا ہے، مرد کا حصہ دو عورتوں کے حصے کے برابر ہے، پھر اگر (دو یا) دو سے زیادہ عورتیں ہی ہوں تو ان کے لیے ترکے میں دو تہائی حصہ ہے اور اگر ایک ہی (لڑکی) ہو تو اس کے لیے آدھا (حصہ) ہے اور اس (مرنے والے) کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے ترکے میں چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو، پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے، پھر اگر اس (مرنے والے) کے (ایک سے زیادہ) بھائی بہن ہوں تو اس کی ماں کے لیے چھٹا حصہ ہے۔ (یہ تقسیم) اس کی وصیت پر عمل یا قرض ادا کرنے کے بعد ہوگی۔''[1]

یہ سابقہ آیت میں بیان کردہ مجمل احکام میراث کی تفصیل ہے۔ اور یہ پوری آیت دین کے ارکان میں سے اور بنیادی احکام میں سے ایک حکم ہے اور امہات الآیات کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ علم فرائض کے تمام اہم مسائل کے ذکر پر مشتمل ہے۔[2]

[1] النسآء 4:11. [2] حسن الأسوة، ص: 48.

یہ آیت کریمہ، اس کے بعد والی اور اس سورت کی آخری آیت علم فرائض کی آیات کہلاتی ہیں۔ علم میراث انھی تینوں آیتوں اور اس مسئلے سے متعلق وارد احادیث سے ماخوذ ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ عورتیں بیٹیاں ہوں، بہنیں ہوں، بیویاں ہوں یا مائیں اور دادیاں ہر صورت میں ان کے تعلق کی بنیاد پر وراثت میں ان کا مقرر حصہ ہے۔

① ماں باپ کی میراث میں جب بیٹیوں کے ساتھ کوئی بیٹا بھی شامل ہو تو بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا۔ اور اگر ایک بیٹی اکیلی ہی وارث ہے تو پھر وہ نصف میراث لے گی۔ اگر دو یا اس سے زیادہ بیٹیاں وارث ہوں تو پھر $\frac{2}{3}$ کی وارث ہوں گی۔

② مرنے والے کی اگر اولاد یا بیٹے کی اولاد موجود ہو تو مرنے والے کی ماں اور باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا $\frac{1}{6}$ حصہ ملے گا اور اگر اولاد یا بیٹے کی اولاد نہ ہو تو ماں کو تیسرا حصہ ملے گا۔

③ مرنے والا اگر مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے یا عورت کی وفات ہو جاتی ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو مرنے والے کی ماں کو خاوند/ بیوی کا حصہ دینے کے بعد باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اور ایک تیسرا حصہ (باقی ماندہ کا) باپ لے گا اگر وہ زندہ ہو۔

④ مرنے والے کے باپ کی موجودگی میں اس کے بہن بھائیوں کو کچھ نہیں ملے گا لیکن ان کی موجودگی ماں کا حصہ کم کر کے $\frac{1}{6}$ کر دے گی۔[2]

[1] المصباح المنير، ص: 276. [2] حسن الأسوة، ص: 49، والمصباح المنير، ص: 277.

20

عورتوں کے زبردستی وارث بننے اور ان سے مہر واپس لینے کی خاطر طلاق دینے کا بیان

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ۝﴾

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمھارے لیے حلال نہیں کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث بن جاؤ اور تم انھیں (اس مقصد سے) نہ روک رکھو کہ تم نے انھیں جو مہر دیا ہو، اس کا کچھ حصہ واپس لے لو، مگر اس صورت میں (انھیں روکنا جائز ہے) اگر وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں۔ اور تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو، پھر اگر تم انھیں ناپسند کرو تو ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت بھلائی ڈال دے۔ اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ

دوسری بیوی کرنا چاہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دیا ہو تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو، کیا تم اسے بہتان لگا کر اور کھلا گناہ کرتے ہوئے واپس لو گے؟ اور تم مہر میں سے کیسے واپس لو گے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کر چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پختہ عہد لیا ہے۔''[1]

زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی مرجاتا اور اپنے پیچھے بیوی چھوڑتا تو مرنے والے کا کوئی قریبی، مثلاً: بھائی یا چچا زاد بھائی سمجھتا کہ وہ اس بیوہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے اور وہ اسے میت کی میراث ہی سمجھتا، چنانچہ عورت پسند کرتی یا ناپسند وہ اس پر زبردستی قبضہ کر لیتا اور اسے کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کرنے دیتا۔ وہ چاہتا تو اس کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق حق مہر پر نکاح کر لیتا اور اگر وہ اسے پسند نہ کرتا تو اسے نکاح سے روک دیتا اور اپنی مرضی سے اس کا نکاح کرتا، بسا اوقات وہ اس کا نکاح اس وقت تک نہ ہونے دیتا جب تک وہ مرنے والے شوہر کی میراث یا مہر میں سے اسے کچھ نہ دے دیتی۔

اسی طرح زمانۂ جاہلیت میں اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ناپسند کرتا تو اسے طلاق نہ دیتا تاکہ وہ اپنا حق مہر اور سامان وغیرہ نہ لے جائے جو اس نے دیا ہے اور آگے کسی اور سے نکاح نہ کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو سوائے درج ذیل دو صورتوں کے ان تمام امور سے منع کر دیا۔

① جب عورت برضا و رغبت اپنے سابقہ شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ نکاح کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿كَرْهًا﴾ کے مفہوم مخالف سے ظاہر ہے۔

② جب عورت واضح بدکاری، مثلاً: زنا وغیرہ کا ارتکاب کرے اور فحش گوئی کے ذریعے

① النسآء 4 : 19-21.

سے خاوند کو اذیت دے تو اس صورت میں خاوند کا اسے اس کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر روکنا جائز ہے تاکہ وہ اس سے وصول کردہ مال واپس کرنے پر آمادہ ہو جائے لیکن شرط یہ ہے کہ ایسا اقدام عدل کے ساتھ ہو۔[1]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انھوں نے فرمایا:

«كَانُوا إِذَا مَاتَ الرَّجُلُ كَانَ أَوْلِيَاؤُهُ أَحَقَّ بِامْرَأَتِهِ، إِنْ شَاءَ بَعْضُهُمْ تَزَوَّجَهَا، وَإِنْ شَاءُوا زَوَّجُوهَا وَإِنْ شَاءُوا لَمْ يُزَوِّجُوهَا، فَهُمْ أَحَقُّ بِهَا مِنْ أَهْلِهَا، فَنَزَلَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي ذٰلِكَ»

''زمانۂ جاہلیت میں جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے ورثاء اس کی بیوی کے زیادہ مستحق ہوتے۔ اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اس سے شادی کر لیتا۔ اور وہ چاہتے تو اس کی آگے کسی اور سے شادی کر دیتے اور اگر چاہتے تو اس کی شادی نہ کرتے، بہر حال وہ اس عورت کے اس کے گھر والوں سے زیادہ حقدار ہوتے تھے۔ تو یہ آیت اس کی تردید میں نازل ہوئی۔[2]

اور سنن ابو داود کے الفاظ ہیں: آدمی اپنے قریبی (عزیز) کی بیوی کا وارث بن جاتا، پھر اسے آگے نکاح نہ کرنے دیتا یہاں تک کہ اسے موت آجاتی یا وہ اپنا مہر اس کے حوالے کر دیتی۔[3]

① تفسير السعدي، ص: 172. ② صحيح البخاري، الإكراه، باب من الإكراه، حديث: 6948. ③ سنن أبي داود، النكاح، باب في قوله تعالىٰ: ﴿لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا......﴾، حديث: 2090.

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ان سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں: اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس سے نکاح کر لیتا اور اگر خوب صورت نہ ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا اور نہ اسے آگے نکاح کرنے دیتا تاکہ وہ مرے اور یہ اس کا وارث بنے۔[1]

آیت کے مخاطب مومنین ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں روکتے ہوئے فرمایا: تمھارے لیے حلال نہیں ہے کہ تم عورتوں کو وراثت سمجھ کر ان پر قبضہ جماؤ اور یہ خیال کرو کہ تم دوسروں کی نسبت ان کے زیادہ مستحق ہو۔ اور یہ بھی حلال نہیں کہ تم انھیں اپنے لیے روکے رکھو۔[2]

مذکورہ بالا آیات میں درج ذیل ہدایات دی گئی ہیں۔

① عورتوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے۔

② عورتوں سے حسن معاشرت کا مظاہرہ کیا جائے۔

③ (بوقت طلاق) ان سے حق مہر واپس نہ لیا جائے۔

پہلی بات کی وضاحت تو ہو چکی۔ جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ کا عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا حکم اور ترغیب حتی المقدور قولی اور عملی دونوں طرح کی معاشرت کے لیے ہے۔ پس شوہر پر فرض ہے کہ بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے رہے، اسے کوئی اذیت نہ دے، اس کے ساتھ بھلائی اور حسن معاملہ کے ساتھ پیش آئے۔ اس میں نان نفقہ اور لباس وغیرہ سب شامل ہے، پس زمان و مکان کے احوال و ظروف کے مطابق شوہر کا بیوی سے دستور کے مطابق بھلائی سے پیش آنا فرض ہے۔[3]

① تفسير ابن أبي حاتم: 902/3، وتفسير الطبري: 407/4. ② حسن الأسوة، ص: 53.
③ تفسير السعدي، ص: 184.

اسی طرح کا حسن سلوک بیوی پر بھی فرض ہے۔

نبی ﷺ کے اخلاق کریمانہ میں یہ عظیم الشان وصف بھی شامل تھا کہ آپ ﷺ اپنے اہل و عیال کے ساتھ نہایت خوشگوار مثالی زندگی بسر فرماتے تھے۔ گھر والوں سے دل لگی کی گفتگو بھی فرماتے تھے، چہرے پر ہمیشہ مسکراہٹ رہتی تھی، نہایت نرمی اور نوازش سے پیش آتے تھے، کھلا خرچ دیتے تھے اور اپنی بیویوں سے ہنسی اور خوش مذاق بھی کرتے تھے حتی کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اظہار تعلق و محبت کے لیے دوڑ بھی لگاتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: رسول اکرم ﷺ نے میرے ساتھ دوڑ لگائی تو میں سبقت لے گئی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب ابھی میرا جسم بوجھل نہیں ہوا تھا۔ پھر ایک مرتبہ میں نے اس وقت دوڑ لگائی جبکہ میں بوجھل ہو چکی تھی تو آپ ﷺ سبقت لے گئے اور فرمایا:

«هٰذِهِ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ»

''یہ اس کا بدلہ ہے۔''[1] یعنی معاملہ برابر ہو گیا۔

جب آپ ﷺ عشاء کی نماز ادا فرماتے تو سونے سے پہلے اپنے اہل و عیال سے ان کا دل لبھانے کے لیے تھوڑی دیر گفتگو فرماتے تھے۔[2]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾

''یقیناً تمھارے لیے رسول اللہ (کی ذات) میں بہترین نمونہ ہے۔''[3]

① سنن أبي داود، الجهاد، باب في السبق على الرجل، حديث: 2578. ② المصباح المنير، ص: 282. ③ الأحزاب 21:33.

خوش وقتی کے ساتھ گزر بسر اسی صورت میں ممکن ہے جب میاں بیوی میں محبت اور موافقت کی فضا ہو۔ اگر کسی وجہ سے زوجین میں ناخوشگواری اور اختلاف ہو، بشرطیکہ وہ فحش گوئی اور نافرمانی کی حد تک نہ ہو تو ایسی صورت میں شوہروں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ صبر سے کام لیں اور معمولی نفرت یا اختلاف کی بنا پر انھیں طلاق نہ دیں، ہوسکتا ہے کہ ان کا صبر کرتے ہوئے انھیں عقد نکاح میں رکھنا اور ناپسندیدگی کے باوجود ان کے ساتھ گزر بسر کرنا دنیا و آخرت میں ان کے لیے کسی بہت بڑی بھلائی کا باعث ہو جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے:

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس پر شفقت کرے اور اللہ تعالیٰ اسے اس عورت سے بیٹا عطا فرما دے اور اس بیٹے میں بہت زیادہ خیر ہو۔[1]

شوہر کا اپنی بیوی کو نہ چاہتے ہوئے بھی ساتھ رکھنا ایسا عمل ہے جس میں مجاہدہ نفس بھی ہے اور بلند اخلاقی بھی۔ اور بسا اوقات ناپسندیدگی زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محبت لے لیتی ہے جیسا کہ مشاہدے سے یہ بات ثابت ہے۔[2]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

«لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ»

”کوئی مومن مرد (شوہر) کسی مومنہ عورت (بیوی) سے نفرت نہ کرے۔ اگر اسے اس کی ایک عادت ناپسند ہے تو کوئی دوسری پسند بھی ہوگی۔“[3]

اور جہاں تک حق مہر واپس لینے کی ممانعت کا تعلق ہے تو اس بارے میں فرمایا کہ

[1] المصباح المنير، ص: 282. [2] تفسير السعدي، ص: 185. [3] صحيح مسلم، الرضاع، باب الوصية بالنساء، حديث: 1467.

اگر تم میں سے کوئی بیوی سے الگ ہونا چاہے اور اس کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہے تو جدا ہونے والی بیوی کو دیے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے، چاہے بطور مہر بہت زیادہ مال دے رکھا ہو۔

اس آیت سے بہت زیادہ مہر دینے کا جواز بھی ثابت ہوتا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے زیادہ مہر دینے سے منع کیا تھا لیکن پھر یہ حکم واپس لے لیا۔[1]

ہر چند یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کثرت مہر حرام نہیں لیکن تخفیف مہر میں نبیٔ اکرم ﷺ کی اقتدا زیادہ افضل اور لائق اعتنا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیویوں سے حق مہر واپس لینا جائز نہیں، چاہے تم اسے واپس لینے کے لیے کوئی بھی حیلہ اختیار کرلو، بہر حال یہ واضح گناہ ہے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾

”اور تم مہر میں سے کیسے واپس لوگے، حالانکہ تم ایک دوسرے سے ملاپ کرچکے ہو۔“[3]

21

باپ کی بیویوں سے نکاح کی ممانعت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

[1] المصباح المنير، ص: 282. [2] تفسير السعدي، ص: 185. [3] النسآء 4:21.

﴿ وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾

”اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو مگر جو پہلے گزر گیا، سو گزر گیا۔ بے شک یہ بے حیائی کا کام، ناراضی کی بات اور برا طریقہ ہے۔“[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں جاہلیت کی رسم بد، یعنی باپ کی بیویوں سے نکاح کرنے سے روکا ہے۔ اس کی وجہ ان کی عزت اور حرمت کی پاسداری ہے۔ بھلا جس سے باپ مباشرت کر چکا ہے، بیٹا بھی اس سے مباشرت کرے؟ مباشرت تو کجا شریعت نے تو باپ کے کسی عورت سے محض نکاح کر لینے کے بعد ہی بیٹے کے لیے اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ بات متفق علیہ ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے باپ کی بیویوں سے شادی کو نہایت قبیح اور بے حیائی والا فعل قرار دیا ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے غضب اور لوگوں کے بغض و عناد کا باعث بنتا ہے یہاں تک کہ بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے نفرت کرنے لگتا ہے، حالانکہ بیٹے کو والدین سے حسن سلوک کا حکم ہے، ﴿ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ یعنی چلنے والے کے لیے یہ برا راستہ ہے کیونکہ یہ جاہلیت کی ان قبیح رسوم و عادات میں سے ہے جن سے معاشرے کو پاک کرنے کے لیے اسلام آیا ہے۔[3]

قباحت کے تین درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی شادی کو ان تینوں مدارج کا مجموعہ بتلایا ہے۔

[1] النسآء 4: 22. [2] المصباح المنير، ص: 283. [3] تفسير السعدي، ص: 185.

① اسے ﴿ فَاحِشَةً ﴾ کہا: یہ اس کے عقلی طور پر قبیح ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

② ﴿ وَمَقْتًا ﴾ کہا: یہ اس کے شرعی طور پر قبیح ہونے کی دلیل ہے۔

③ ﴿ وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ ﴾ کہا: یہ اس کے قدرتی اور فطری طور پر قبیح ہونے کا اعلان ہے۔

جس کام میں یہ تینوں قباحتیں جمع ہو جائیں وہ برائی کے آخری درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔[1]

22

وہ عورتیں جن سے نکاح حرام ہے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ ﴾

”تم پر حرام کی گئی ہیں تمھاری مائیں اور تمھاری بیٹیاں اور تمھاری بہنیں اور

[1] حسن الأسوة، ص: 56.

تمھاری پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں اور تمھاری بھتیجیاں اور تمھاری بھانجیاں اور تمھاری وہ مائیں جنھوں نے تمھیں دودھ پلایا ہو اور تمھاری دودھ شریک بہنیں اور تمھاری بیویوں کی مائیں اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو، پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اور تمھارے صُلبی بیٹوں کی بیویاں اور تمھارا دو بہنوں کو جمع کرنا (بھی حرام ہے) مگر جو پہلے گزر گیا، سو گزر گیا۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں محرم اور غیر محرم عورتوں کی وضاحت فرمادی ہے۔ نسب کی وجہ سے سات عورتوں کو حرام قرار دیا۔ چھ رضاعی اور سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات کا ذکر کیا۔ اور سنت متواترہ سے خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کی حرمت بھی ثابت ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ آیات کریمہ نسبی محرمات، رضاعی محرمات، سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات اور جمع کرنے کی بنا پر محرمات کے احکام پر مشتمل ہیں۔[2]

نسبی محرمات یہ ہیں:

① مائیں ② بیٹیاں ③ بہنیں ④ پھوپھیاں ⑤ خالائیں ⑥ بھتیجیاں ⑦ بھانجیاں۔

ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

① النسآء 4: 23. ② تفسیر السعدي، ص: 186.

① مائیں: اس میں ماں کی ماں، یعنی نانی آخر تک شامل ہیں۔ اسی طرح باپ کی ماں، یعنی دادی بھی آخر تک شامل ہیں کیونکہ ان سب کا شمار ماں میں ہوتا ہے، ان کی اولاد کی اولاد نیچے تک انھی کی اولاد شمار ہوگی۔

② بیٹیاں: بیٹیوں میں اولاد کی بیٹیاں بھی شامل ہیں، خواہ نیچے، یعنی آخر تک چلی جائیں۔

③ بہنیں: اس میں حقیقی بہنیں، صرف باپ کی طرف سے بہنیں اور صرف ماں کی طرف سے بہنیں سب شامل ہیں۔

④ پھوپھیاں: اس میں ہر وہ عورت شامل ہے جو باپ یا دادا کی اصل میں یا ایک طرف، یعنی باپ یا ماں میں شریک ہو۔ اور بسا اوقات پھوپھی ماں کی طرف سے ہوتی ہے اور اس سے ماں کے باپ کی بہن مراد ہے۔

⑤ خالائیں: ہر وہ عورت جو آپ کی ماں یا نانی کی بہن ہے، چاہے وہ حقیقی ہو یا علاتی یا اخیافی۔ بسا اوقات خالہ باپ کی طرف سے بھی ہوتی ہے، یعنی آپ کے باپ کی خالہ بھی آپ کی خالہ ہوگی۔

⑥ بھتیجیاں: تمام قسم کے بھائیوں کی بیٹیاں اور ان کی آگے بیٹیاں آخر تک۔

⑦ بھانجیاں: بہنوں کی بیٹیاں اور ان کی آگے بیٹیاں آخر تک۔[1]

یہ وہ سات محرمات ہیں جو نسب کے اعتبار سے حرام ہیں اور ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ آیت کریمہ کی نص سے ظاہر ہے۔ ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دیگر عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہیں: ﴿وَأُحِلَّ لَكُم مَّا وَرَآءَ ذَٰلِكُمْ﴾ ان محرمات کے علاوہ دیگر تمام عورتیں تم پر حلال کردی گئی ہیں۔ جیسے پھوپھی کی بیٹی، چچا کی

① حسن الأسوة، ص: 58.

بیٹی، ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی وغیرہ۔[1]

جہاں تک رضاعت کے اعتبار سے محرمات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا تذکرہ کیا ہے۔ مگر اس تحریم میں رضاعی ماں کی ماں بھی شامل ہے، حالانکہ حرمت کا باعث دودھ اس کے سبب سے نہیں بلکہ وہ تو دودھ کے مالک، یعنی رضاعی ماں کے شوہر کے سبب سے ہے۔ یہ تنبیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رضاعی ماں کا شوہر دودھ پینے والے بچے کا رضاعی باپ ہوگا۔ جب رضاعی باپ ہونا اور ماں ہونا ثابت ہوگیا تو ان کی بہنوں وغیرہ اور ان کے اصول و فروع کی حرمت بھی ثابت ہوگئی۔[2] رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»

”رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہوجاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔“[3]

پس یہ تحریم دودھ پلانے والی کی جہت سے اور اس کے خاوند کی جہت سے پھیلے گی، یعنی ان کے اصول وفروع اس دودھ پینے والے بچے/بچی کے لیے حرام ہوجائیں گے، جیسا کہ تحریم نسبی اقارب میں پھیلتی ہے جبکہ یہ تحریم دودھ پینے والے بچے کی صرف اولاد تک پھیلے گی، یعنی دودھ پینے والے کی جو اولاد ہے صرف ان کے لیے مذکورہ لوگ حرام ہوں گے۔ اس کے اصول اور بہن بھائی اس حرمت سے مستثنیٰ ہوں گے۔ مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بچے نے دو سال کی عمر کے دوران میں کم از کم پانچ بار دودھ پیا ہو جیسا کہ سنت سے واضح ہے۔[4]

[1] تفسير السعدي، ص: 186. [2] تفسير السعدي، ص: 186. [3] صحيح البخاري، الشهادات، باب الشهادة على الأنساب والرضاع......، حديث: 2645، وصحيح مسلم، الرضاع، باب تحريم ابنة الأخ من الرضاعة، حديث: 1447. [4] تفسير السعدي، ص: 186.

سسرالی قرابت کے اعتبار سے محرم رشتے چار ہیں:

① باپ دادا کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

② بیٹوں کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور نیچے تک چلے جائیں، وہ وارث بنتے ہوں یا دوسرے ورثاء کی موجودگی کی وجہ سے محجوب بنتے ہوں، بہر حال برابر ہیں۔

③ بیوی کی مائیں: خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

یہ تین رشتے محض نکاح سے حرام ہوجاتے ہیں۔

④ سوتیلی بیٹی: چوتھا رشتہ سوتیلی بیٹی کا ہے۔ اس سے بیوی کے سابق شوہر کی بیٹی مراد ہے، خواہ کتنی ہی دور نیچے چلی جائیں۔ یہ سوتیلی بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی ماں سے دخول نہ ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾

”اور تمھاری وہ سوتیلی بیٹیاں جو تمھارے ہاں پرورش پائیں اور ان عورتوں کے پیٹ سے ہوں جن سے تم نے صحبت کی ہو۔“[1]

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ ”جو تمھاری پرورش میں ہیں۔“ کی قید غالب احوال کے اعتبار سے ہے، ایسا نہیں ہے کہ جو زیر پرورش نہ ہو اس سے نکاح جائز ہے۔ ربیبہ (سوتیلی بیٹی) سوتیلے باپ کے زیر پرورش ہو یا کسی اور کے زیر پرورش اس سے نکاح کرنا حرام ہے۔ البتہ یہاں ”زیر پرورش“ کی قید لگانے کے دو فائدے ہیں:

① سوتیلی بیٹی کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے، گویا وہ صلبی بیٹی کی طرح ہے، لہٰذا اس سے نکاح کی اباحت نہایت ہی قبیح چیز ہے۔

[1] النسآء 4 :23.

② دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سوتیلی بیٹی سے تنہائی اور خلوت جائز ہے۔ (اگر وہ گھر میں اکیلی ہے تو اس کا سوتیلا باپ گھر جا سکتا ہے جبکہ غیر محرم کے ساتھ تنہائی درست نہیں ہے۔) کیونکہ وہ صلبی اور نسبی بیٹیوں کی طرح ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

اور جہاں تک ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے سے ممنوع اور محرم رشتوں کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اور رسول اکرم ﷺ نے خالہ، بھانجی اور پھوپھی، بھتیجی کو ایک ساتھ جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے، چنانچہ وہ دو عورتیں جن کے درمیان رحم کا رشتہ ہے اگر ان میں کسی ایک کو مرد اور دوسری کو عورت مان لیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے حرام ہوں تو ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہوگا، اس لیے کہ اس صورت میں باہم قطع رحمی کے اسباب موجود ہیں۔ [2]

محرمات میں ان کے علاوہ باپ دادا آخر تک کی منکوحہ بھی شامل ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط﴾

''اور جن عورتوں سے تمھارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے تم نکاح نہ کرو مگر جو پہلے گزر گیا، سو گزر گیا۔'' [3]

امام طحاوی فرماتے ہیں: مذکورہ بالا تمام خواتین سے نکاح کرنا بالاجماع حرام ہے، البتہ ان عورتوں کے بارے میں اختلاف ہے جن کی بیٹیوں سے تم نے نکاح کیا لیکن خلوت صحیحہ یا مقاربت نہیں ہوئی۔ [4]

① تفسير السعدي، ص: 186. ② تفسير السعدي، ص: 186. ③ النسآء 4 :22. ④ حسن الأسوة، ص: 57.

23

شوہر والی عورتوں سے نکاح کی حرمت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ج كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ج وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾

''اور تمھارے لیے شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں، سوائے ان لونڈیوں کے جن کے تم مالک ہو۔ (یہ) اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے اور ان کے علاوہ جو عورتیں ہیں، وہ تمھارے لیے حلال کر دی گئی ہیں، (شرط یہ ہے) کہ تم اپنے مال (مہر) کے بدلے انھیں حاصل کر کے ان سے نکاح کرو اور تمھاری نیت بدکاری کی نہ ہو۔'' [1]

یعنی ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو پہلے سے کسی کے نکاح میں ہیں اور شوہر والی ہیں۔ جب تک یہ عورتیں پہلے شوہر کی زوجیت میں ہیں، ان سے نکاح حرام ہے۔ اگر پہلا خاوند طلاق دے دے اور عدت گزر جائے تو پھر ان سے نکاح جائز ہوگا۔ [2]

اس کے معنی یہ ہیں کہ منکوحہ عورتیں مسلمان ہوں یا کافر ان سے نکاح حرام ہے مگر اس صورت میں کہ کوئی منکوحہ کافر خاتون مسلمانوں کی قید میں آ کر لونڈی بنے تو

① النسآء 4 :24. ② تفسير السعدي، ص: 186.

اس سے نکاح وغیرہ جائز ہے، تاہم ایسی عورت استبرائے رحم کرے گی تاکہ حمل کا پتہ چل جائے۔[1]

مذکورہ آیت کا سبب نزول یہ ہے: امام احمد رحمہ اللہ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا: ہمیں غزوۂ اوطاس میں دشمن کی عورتیں بطور قیدی ملیں، ان عورتوں کے شوہر زندہ تھے، ہم نے ان کے شوہروں کے ہوتے ہوئے ان سے ہم بستر ہونا گوارا نہ کیا۔ ہم نے اس بارے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ بعد ازاں ہم نے ان سے ہم بستری کرنا حلال سمجھا۔[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ تحریم ایک شرطِ لازم ہے جسے اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض قرار دیا ہے، لہٰذا اس کا التزام کرو اور اس کی حدود سے تجاوز نہ کرو اور اس نے جو مشروع اور فرض قرار دیا ہے، اس کی پابندی کرو۔[3] اس (تحریم کی کتاب) میں تمھارے لیے شفا اور روشنی ہے اور حلال و حرام کی تمام تفصیلات ہیں۔[4]

پھر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کے اختتام میں فرمایا کہ ہر وہ عورت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں ہے، وہ حلال ہے۔ حرام محدود ہے اور حلال لامحدود اور بے پایاں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف و کرم، اس کی رحمت اور عطا کردہ آسانی ہے۔[5]

اللہ تعالیٰ نے انھیں حکم دیا ہے کہ مباح عورتوں میں جو انھیں پسند ہوں (چار کی حد

[1] حسن الأسوة، ص: 60. [2] مسند أحمد: 72/3. [3] المصباح المنير، ص: 285.
[4] تفسير السعدي، ص: 186. [5] تفسير السعدي، ص: 186.

تک) انھیں مال دے کر پاک دامنی کے ساتھ ان سے نکاح کرلو۔ نہ خود ناجائز تعلقات رکھو، نہ اپنی عورتوں کے ہاتھ سے عفت کا دامن چھوٹنے دو، یعنی شادی کی نیت سے مستقل بیوی بنانے کے لیے مال بطور مہر ادا کرو۔ مال دے کر فوری مسرت کا حصول اور وقتی بدکاری مقصود نہ ہو۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف پاک دامنوں سے نکاح کیا جائے۔

24

خواتین پر مردوں کی نگرانی اور نیک عورتوں کی تعریف

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾

''مرد عورتوں پر اس وجہ سے حاکم ہیں کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ اپنے مالوں میں سے خرچ کرتے ہیں، چنانچہ نیک عورتیں، فرماں بردار اور خاوند کی غیر موجودگی میں اللہ کی حفاظت سے (مال و آبرو کی) نگہبانی کرتی ہیں۔''[1]

اس آیت سے مردوں کی عورتوں پر قوامیت ثابت ہوتی ہے، یعنی مرد عورت پر

[1] النسآء 4:34.

نگران، اس کا سرتاج اور سربراہ ہے۔ وہ اس پر نگران ہے اور اس کے راہ راست سے ہٹنے کی صورت میں اسے ادب و شائستگی سکھانے والا ہے۔[1]

لہٰذا مرد کئی اسباب کی بنا پر عورتوں سے افضل ہیں، مثلاً:

① تمام بڑے بڑے مناصب اور عظیم الشان ذمے داریاں مردوں ہی سے مخصوص ہیں، جیسے انبیاء و رسل، خلفاء، بادشاہ، حاکم، ائمہ اور غازی وغیرہ مرد ہی ہوئے ہیں۔

② اللہ تعالیٰ نے مردوں کو وافر عقل و دانش سے نوازا اور کامل دین والا بنایا۔ انھیں جمعہ اور نماز باجماعت کی امامت کی فضیلت بخشی۔

③ مرد چار بیویاں رکھ سکتا ہے جبکہ عورت ایک شوہر کے ہوتے ہوئے دوسرا نہیں کر سکتی۔

④ وراثت میں مرد کا حصہ عورت سے زیادہ ہے اور عصبہ بھی مرد ہی ہوتا ہے۔

⑤ نکاح، طلاق اور رجوع کا اختیار بھی مرد کو دیا اور اولاد بھی مرد ہی سے منسوب ہوتی ہے، اسی طرح دیگر کئی امور ہیں جن سے مردوں کی عورتوں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔[2]

نبوت مردوں ہی کے لیے مخصوص ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ﴾

''(اے نبی!) آپ سے پہلے ہم نے جتنے رسول بھیجے، وہ سب مرد ہی تھے، ان کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔''[3]

① المصباح المنير، ص: 290. ② حسن الأسوة، ص: 64,63. ③ الأنبيآء 7:21.

بادشاہت اور خلافت بھی مردوں ہی کی خصوصیت ہے جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَلَّوْا أَمْرَهُمُ امْرَأَةً»

''وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوگی جس نے اپنے معاملات کا نگران عورت کو بنالیا۔''[1]

اسی طرح قاضی (جج) کا عہدہ بھی مردوں ہی کے لیے ہے اور دیگر کئی رفیع الشان عبادات، مثلاً: جہاد، عیدین اور جمعہ وغیرہ میں بھی مردوں ہی کو امتیازی خصوصیت حاصل ہے۔

مردوں کی عورتوں پر حاکمیت اس لیے بھی ہے کہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا التزام کرانے والے، اس کے فرائض کی حفاظت کرنے والے اور انھیں مفاسد سے روکنے والے ہیں۔ وہ عورتوں پر اس اعتبار سے بھی قوام ہیں کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں اور خوراک، پوشاک اور مسکن وغیرہ فراہم کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ وہ (مرد) اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی حق مہر اور دیگر اخراجات جو اللہ تعالیٰ نے مردوں پر واجب کیے ہیں جن کی تفصیل کتاب و سنت میں موجود ہے، لہٰذا مرد عورت سے بجائے خود افضل ہے اور اسے اس پر فوقیت حاصل ہے۔ مزید برآں اسے عورت کے ساتھ حسن سلوک اور بھلائی کرنے کی فضیلت بھی حاصل ہے۔ یہ سب اعزاز اس بات کے متقاضی ہیں کہ مرد عورت پر حاکم و نگران ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

① صحيح البخاري، المغازي، كتاب النبي ﷺ إلى كسرىٰ و قيصر، حديث: 4425.

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

''اور مردوں کے لیے ان پر ایک فضیلت ہے۔''[1]

اور ﴿وَبِمَآ اَنْفَقُوْا﴾ میں مفعول کو حذف کرنا نان نفقے کے عموم کی دلیل ہے۔

ان تمام توضیحات سے ثابت ہوتا ہے کہ مرد اپنی بیوی کے لیے آقا اور والی کی حیثیت رکھتا ہے اور عورت اپنے شوہر کے پاس ایک قیدی کی مانند ہے۔ پس مرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان امور کا انتظام کرے جن کے خیال رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا ہے اور عورت کی ذمے داری اور فرض یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے۔[2]

پھر اللہ تعالیٰ نے نیک خواتین کی صفات عالیہ بیان کر کے ان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ ......﴾ کہ وہ نیکو کار اللہ تعالیٰ کی مطیع ہوتی ہیں اور پھر اپنے شوہروں کی بھی فرماں بردار ہوتی ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی فرماں برداری کرتی ہیں، اپنی عفت کی حفاظت کے ذریعے سے اپنے شوہر کی اور اپنے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور توفیق سے ہے، ان کی طرف سے کچھ نہیں۔[3]

امام سدی وغیرہ کا قول ہے: اس کا مطلب ہے کہ وہ خاوند کی عدم موجودگی میں اپنی عفت اور خاوند کے مال کی حفاظت کر کے اپنے شوہروں کی حفاظت کرتی ہیں۔[4]

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ''بہترین عورت وہ ہے کہ جب تو (خاوند) اس کی

[1] البقرة 2:228. [2] تفسير السعدي، ص: 190. [3] تفسير السعدي، ص: 190. [4] المصباح المنير، ص: 290.

طرف دیکھے تو تجھے خوش کر دے اور جب تو اسے کوئی حکم دے تو وہ تیری اطاعت کرے اور تیری عدم موجودگی میں اپنی عفت اور تیرے مال میں تیری حفاظت کرے۔''[1]

25

نافرمان عورتوں کا علاج

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا﴾

''اور تمھیں جن عورتوں کی سرکشی کا خوف ہو، انھیں تم نصیحت کرو اور انھیں خواب گاہوں میں الگ کر دو اور انھیں ہلکی سزا دو، پھر اگر وہ تمھاری فرماں برداری کریں تو انھیں ستانے کی راہ نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''[2]

مذکورہ آیت میں مردوں سے خطاب ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ جن عورتوں کی نافرمانی کا تمھیں خدشہ ہو کہ وہ تمھاری اطاعت سے سرکشی کریں گی تو انھیں نصیحت کرو۔ «نُشُوزٌ» کے معنی بلند ہونا ہے، نافرمان عورت بھی خاوند پر استیلا کا اظہار کرتی ہے، اس کی نافرمانی کرتے ہوئے اس سے بے رخی برتتی ہے اور اس سے بغض رکھتی

[1] تفسير الطبري: 4/62. [2] النسآء 4:34.

ہے۔ جب عورت میں سرکشی اور نافرمانی کے آثار ظاہر ہوں تو مرد کو چاہیے کہ پہلے اسے نصیحت کرے اور نافرمانی کرنے پر اسے اللہ کی سزا اور عقاب سے ڈرائے۔ اسے نصیحت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر شوہر کی اطاعت واجب کی ہے اور اس کی نافرمانی حرام قرار دی ہے اور شوہر کو ہر لحاظ سے فوقیت اور افضل درجہ دیا ہے۔[1]

رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

«لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا مِنْ عِظَمِ حَقِّهِ عَلَيْهَا»

”اگر میں کسی کو (اللہ کے سوا) کسی اور کے لیے سجدے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو، اس کے عظیم حق کی بنا پر، سجدہ کرے۔“[2]

رسول اللہ ﷺ ہی کا ارشاد گرامی ہے:

«إِذَا دَعَا الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهِ فَأَبَتْ عَلَيْهِ، لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ»

”جب مرد عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس عورت پر لعنت کرتے رہتے ہیں۔“[3]

جب عورت اپنے شوہر کی اطاعت نہ کرے اور قول یا فعل کے ذریعے سے اس کی نافرمانی کرے تو اس صورت میں شوہر کو چاہیے کہ نہایت نرمی سے اس کی معمولی تادیب کرے۔

[1] المصباح المنير، ص : 291. [2] جامع الترمذي، الرضاع، باب ماجاء في حق الزوج على المرأة، حديث: 1159. [3] صحيح البخاري، النكاح، باب: إذا باتت المرأة مهاجرة ◂◂

﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ ”انھیں نصیحت کرو۔“ یعنی شوہر کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کرکے اسے نصیحت کرو۔ شوہر کی اطاعت کی ترغیب دو اور اس کی نافرمانی سے ڈراؤ۔ اگر وہ باز آجائے تو یہی چیز مطلوب ہے۔ بصورت دیگر شوہر اسے اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے، اس کے بستر پر سوئے نہ اس کے ساتھ مجامعت کرے یہاں تک کہ مقصد حاصل ہوجائے۔ اس کے باوجود بھی وہ نافرمانی ترک نہ کرے تو شوہر اسے ایسی مار مارے جو نقصان دہ نہ ہو۔

اگر ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے مقصود حاصل ہوجائے اور وہ تمھاری اطاعت کرنے لگ جائیں ﴿فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا﴾ ”تو انھیں (ستانے کی) راہ تلاش نہ کرو۔“ یعنی جو مقصد تم حاصل کرنا چاہتے تھے، وہ حاصل ہوگیا، اس لیے اب گزشتہ کوتاہیوں پر سرزنش نہ کرو اور ماضی کے قصے نہ کریدو جن کا ذکر نقصان دہ اور باعث شر و فساد ہوتا ہے۔[1]

اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا﴾ میں شوہروں کو اشارتاً یہ سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر تمھیں عورتوں پر فوقیت اور غلبہ دیا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم ان پر ظلم کرو بلکہ ان کے ساتھ حسن سلوک، نرمی اور نوازش کا برتاؤ کرو۔ اور یاد رکھو! اگر تم ان پر حاکم ہو تو اللہ تم پر مطلق العنان مالک و حاکم ہے اور تم پر اس ذاتِ عالی کا اختیار سب سے بڑھ کر ہے اور وہ تمھاری ہر آن خوب نگرانی کررہا ہے۔[2]

◂◂ فراش زوجها، حديث: 5193. [1] تفسير السعدي، ص : 190. [2] حسن الأسوة، ص : 65.

26

روٹھے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرانے کا طریقہ

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝﴾

”اور اگر تمھیں دونوں (میاں بیوی) میں جھگڑے کا ڈر ہو تو ایک شخص مرد کے کنبے سے اور ایک عورت کے کنبے سے منصف مقرر کرو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان دونوں (میاں بیوی) میں موافقت پیدا کر دے گا، بے شک اللہ بہت علم والا، خوب خبردار ہے۔“[1]

آیت کے مخاطبین امراء اور حکام ہیں اور ﴿بَيْنَهُمَا﴾ کی ضمیر زوجین کی طرف ہے۔ سابقہ آیت میں عورت کی نافرمانی اور سرکشی کا ذکر کرنے اور اس کا حل بیان کرنے کے بعد میاں بیوی کی باہم ناراضی، نفرت، اختلافات اور ان کے حل کا طریقہ بیان فرمایا ہے۔

جب میاں بیوی کے مابین مخالفت اور دوری پیدا ہو جائے تو حاکم وقت کی ذمہ داری ہے کہ کسی شخص کی ڈیوٹی لگائے جو ان پر نظر رکھے اور فریقین میں سے ظلم کرنے

[1] النسآء 4 : 35.

والے کو روکے۔ اگر ان کا معاملہ سنگین ہو جائے اور جھگڑا طول پکڑ جائے تو حاکم کو چاہیے کہ ایک قابل اعتماد شخص عورت کی برادری سے اور ایک مرد کی برادری سے مقرر کرے۔ پھر یہ دونوں منتخب افراد ان کے معاملے کا جائزہ لیں، غور و فکر کریں اور مصلحت کے مطابق جو مناسب سمجھیں فیصلہ کر دیں۔[1]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حاکم میاں، بیوی کی رضامندی سے دو ایسے مکلّف مسلمان، عادل اور عاقل مردوں کو ثالث بنا کر ان کے پاس بھیجے جو میاں بیوی کے مابین اختلافات اور معاملات سے آگاہ ہوں اور معاملات حل کرنے کی صلاحیت اور سلیقہ بھی رکھتے ہوں، یعنی جوڑ توڑ کے ماہر ہوں۔ مذکورہ تمام صفات لفظ «حَكَمْ» کے مفہوم میں شامل ہیں کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک حَكَمْ (منصف) بننے کا اہل نہیں ہو سکتا جب تک وہ ان صفات کا حامل نہ ہو۔ دونوں جانب کے منتخب ثالث ان شکایات پر غور کریں جو میاں بیوی ایک دوسرے کے خلاف پیش کرتے ہوں۔ وہ دونوں سے ان کی ذمہ داریوں کا التزام کرائیں۔ اگر ان میں سے ایک فریق ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر ہے تو دونوں حَكَمْ دوسرے فریق کو، درپیش احوال میں جو کچھ بھی نصیب ہو، اس پر راضی رہنے پر آمادہ کریں اور ان کی اصلاح و فلاح کے لیے ہر ممکن طریقہ بروئے کار لائیں۔

اگر نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ دونوں کا اکٹھا رہنا اور اصلاح ممکن نہ ہو بلکہ اس سے دشمنی، قطع تعلقی اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اضافہ ہوتا ہو اور منصفین سمجھتے ہوں کہ ان میں علیحدگی ہی دونوں کے لیے بہتر ہے تو ان کے درمیان علیحدگی کرا دیں۔ اب

[1] المصباح المنير، ص: 291.

دونوں میں تفریق کے لیے شوہر کی رضامندی ضروری نہیں ہے جیسا کہ آیت کے مدلول سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ثالثوں کو ''حَکَمْ'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور حَکَمْ وہ ہوتا ہے جو فیصلہ کرے چاہے اس کے فیصلے پر محکوم علیہ راضی نہ ہو۔[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ یعنی ثالث اگر اصلاح کا ارادہ کریں...... اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے زوجین مراد ہیں لیکن پہلا قول ہی زیادہ راجح ہے، یعنی دونوں ثالث مل کر میاں بیوی کے درمیان اصلاح کی امکان بھر پوری کوشش کریں اگر وہ صلح کرانے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو سبحان اللہ! وہ اس کامیابی کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنائیں۔ بصورت دیگر اگر وہ سمجھتے ہیں کہ ان میں علیحدگی ہی بہتر ہے تو وہ حاکم شہر کی اجازت کے بغیر ہی مجاز ہیں کہ ان میں علیحدگی کرادیں اور علیحدگی کے لیے کسی وکالت کی بھی ضرورت نہیں ہے۔[2]

آیت کے اختتام میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہے، وہ انسان کی پوشیدہ باتوں اور دل میں اٹھنے والے ارمانوں سے بھی خوب واقف ہے۔ اسی لیے اس نے نہایت خوبصورت طریقے مشروع قرار دیے ہیں۔

27

خواتین کے لیے نیکی کی زندگی پر جنت کی بشارت

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

1 تفسیر السعدي، ص : 191,190. 2 حسن الأسوة، ص : 66.

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾

''اور جو کوئی نیک کام کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔''[1]

اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے برائیوں کی سزا کا ذکر کیا اور خبردار فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برے کام کرنے والے کا ضرور محاسبہ کرے گا۔ یہ مؤاخذہ دنیا میں ہو تو یہ انسان کے لیے بہتر ہے ورنہ آخرت میں اسے گناہ کی سزا بھگتنی ہوگی۔ اس سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت میں عافیت کی درخواست کرتے ہیں، عفو و درگزر اور آسانی کا سوال کرتے ہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم، احسانات اور رحمت کا تذکرہ کرکے فرمایا کہ وہ اپنے بندوں کے چاہے وہ مرد ہوں یا عورتیں حالت ایمان میں کیے گئے اعمال صالحہ قبول فرماتا ہے۔ وہ عنقریب انھیں جنت میں داخل کرے گا اور ان کی نیکیوں میں ذرہ بھر کمی نہیں ہوگی حتی کہ ان پر کھجور کی گٹھلی پر موجود جھلی کے برابر بھی ظلم نہیں ہوگا۔[2]

شیخ عبدالرحمٰن سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس میں تمام اعمالِ قلب اور اعمالِ بدن شامل ہیں اور عمل کرنے والوں میں جن و انس، چھوٹے بڑے اور مرد و عورت سب داخل ہیں۔ اسی لیے فرمایا: ﴿مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''مرد ہو یا عورت جبکہ وہ مومن ہو۔'' یہ (ایمان) تمام اعمال کی قبولیت کے لیے شرطِ اول ہے۔ کوئی عمل اس وقت تک نہ صالح ہوسکتا ہے نہ قابلِ قبول، نہ اس پر ثواب کی امید کی جاسکتی ہے، نہ وہ

1 النسآء 4 : 124. 2 المصباح المنیر، ص : 327,326.

کسی عذاب سے بچا سکتا ہے جب تک کہ عمل کرنے والا مومن نہ ہو۔ ایمان کے بغیر اعمال اس درخت کی شاخوں کی مانند ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو یا ان کی مثال اس عمارت کی طرح ہے جسے پانی کی موج پر تعمیر کیا گیا ہو۔ ایمان ہی اصل اور اساس ہے جس پر اعمال کا دارومدار ہے۔ اس شرطِ لازم سے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہر عمل جو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، اس کی قبولیت ایمان کے ساتھ مقید ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے اسم اشارہ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ سے یہ واضح فرمایا کہ جو لوگ ایمان اور اعمال صالحہ کی زندگی بسر کریں گے، اللہ تعالیٰ انھیں ایسی جنت میں داخل فرمائے گا جو ایسی بے مثل نعمتوں پر مشتمل ہے جنھیں نفس چاہتے اور آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں۔ ان کے اعمال خیر میں ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں ہوگی بلکہ وہ ان اعمال کا پورا پورا، وافر اور کئی گنا اجر پائیں گے۔[2]

﴿وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ میں ظلم کی نفی میں مبالغہ مقصود ہے اور مرد و عورت کے اعمال کی بھرپور جزا کا وعدہ ہے۔ جب مزدوری دینے والا ارحم الراحمین ہو تو مزدوری کتنی زیادہ ہوگی؟ اللہ رب العزت کا یہ کرم کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آ سکتا۔[3]

28

زوجین کو مصالحت کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

① تفسير السعدي، ص : 223. ② تفسير السعدي، ص : 223. ③ حسن الأسوة، ص :71.

﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۚ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۗ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ ۚ وَإِنْ تُحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾

”اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے ظلم و زیادتی یا نظر انداز کیے جانے کا اندیشہ ہو تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ آپس میں کسی طرح صلح کرلیں اور صلح ہی اچھی ہے اور انسانی نفس میں بخیلی رکھی گئی ہے اور اگر تم احسان کرو اور پرہیزگار بنو تو بے شک تم جو بھی عمل کرتے ہو، اللہ اس کی خوب خبر رکھتا ہے۔“[1]

یعنی جب عورت اپنے شوہر کے سخت رویے اور ظلم سے ڈرے اور اسے خدشہ ہو کہ خاوند اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھے اور اسے ناقابل توجہ سمجھ کر اس سے اعراض کرے تو اس حالت میں بہتر صورت یہی ہے کہ دونوں باہم مصالحت کرلیں۔ اس کی صورت یہی ہے کہ عورت اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوجائے تاکہ وہ خاوند کے ساتھ رہ سکے۔ اس کے کئی طریقے ہیں، مثلاً: وہ کم نان و نفقہ، معمولی لباس یا مکان وغیرہ پر راضی ہوجائے یا اپنی باری کا حق ساقط کردے یا اپنی باری کے شب و روز اپنی کسی سوکن کو ہبہ کردے۔ اگر میاں بیوی اس صورتِ حال پر راضی ہوجائیں تو اس میں دونوں کے لیے کوئی حرج نہیں، یعنی کوئی گناہ نہیں۔ ایسی صورت حال میں اپنی بیوی کے ساتھ رشتۂ زوجیت قائم رکھنا جائز ہے اور یہ علیحدگی سے بہتر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ ”اور صلح بہتر ہے۔“ یہ مختصر سا جملہ حکمت و دانائی کا

① النسآء 4 : 128.

گنجینہ ہے۔ اس کے مفہوم سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان کسی ایک حق یا تمام معاملات میں نزاع ہو تو صلح اس سے بہتر ہے کہ دونوں تمام اشیاء میں پورا پورا حق وصول کرنے کا مطالبہ کریں کیونکہ صلح میں اصلاح امور، الفت ومحبت کی بقا اور درگزر کرنے کی صفت پائی جاتی ہے۔ صلح تمام اشیاء و معاملات میں جائز ہے، سوائے اس صورت کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو، تب یہ صلح نہیں بلکہ ظلم ہوگا۔[1]

آیت سے واضح ہوتا ہے کہ صلح اس طرح ہو کہ عورت خاوند کے ذمے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوجائے۔ اور خاوند کے لیے بھی علیحدگی کے بجائے عورت کی بعض حقوق سے دستبرداری قبول کر لینا بہتر ہے جیسا کہ نبی ﷺ نے سیدہ سودہ بنت زمعہ کو ان کی طرف سے خوش دلانہ اپنی باری عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرنے پر اپنے رشتۂ زوجیت میں رکھا اور ان کا یہ اعزاز برقرار رہا کہ وہ بدستور رسالت مآب ﷺ کے حبالۂ عقد میں رہیں۔ آپ نے ایسا اس لیے کیا کہ امت اس کی مشروعیت اور جواز میں آپ ﷺ کے عمل مبارک کو نمونہ بنا سکے۔ صلح و یگانگت کا معاملہ ہی آپ ﷺ کے حق میں افضل تھا۔ اس لیے کہ موافقت اور صلح اللہ تعالیٰ کو علیحدگی سے زیادہ پسند ہے جیسا کہ فرمایا: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور (بے جا) طلاق اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم و مبغوض فعل ہے۔[2]

جب انسان کو صلح صفائی جیسے خلق حسن کو اپنانے کی توفیق مل جاتی ہے تو اس کے لیے اپنے مخالف سے صلح آسان ہوجاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ سہل

[1] تفسير السعدي، ص: 224. [2] المصباح المنير، ص: 329.

ہوجاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی طبیعت سے بخل کا بوجھ اتارنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کے لیے صلح صفائی، مصالحت اور موافقت بہت مشکل کام ہے کیونکہ وہ اپنا پورا حق لیے بغیر راضی نہیں ہوتا اور اس پر جو حق واجب ہے، اسے ادا کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ جب دوسرے فریق کا رویہ بھی اتنا ہی بے لچک ہو تو معاملہ اور زیادہ سخت ہوجاتا ہے۔[1]

پھر فرمایا:

﴿وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا﴾

''اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیز گاری اختیار کرو۔''

یعنی تم اپنے مقدس مالک و خالق کی عبادت میں احسان سے کام لو۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو جیسے تم اس ذات باری کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو یہ یقین بہرحال لازم رکھو کہ وہ ذات مقدس تمھیں دیکھ رہی ہے۔ بس یہی حالت احسان ہے۔ یہ حالت تم پر بہرحال طاری رہنی چاہیے، یعنی تم اپنے مال و جاہ، محنت و مشقت اور علم و آگہی سے لوگوں کو نفع پہنچاؤ اور نفع رسانی کے عمل میں احسانی طریق عمل ہی سے کام لو۔ سب کی بھلائی اور خیر خواہی کا اہتمام کرو۔ سب سے حسن سلوک کرو۔ تمام اوامر انجام دیتے ہوئے طریق احسانی ہی کو بروئے کار لاؤ، نواہی سے بچو اور اللہ سے ڈرو۔[2]

اور ان میں سے جو تمھیں ناپسند ہیں، ان کے ساتھ صبر شکر سے گزارہ کرو۔

[1] تفسير السعدي، ص: 225. [2] تفسير السعدي، ص: 225.